گلِ عجائب

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

یعنی

تذکرۂ شاعراں

تالیف

اسد علی خاں تمنا اورنگ آبادی

(در حدود ۱۱۹۲–۱۱۹۴ ہجری)

مطبوعہ وشایع کردۂ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

(طبع اول) ۱۹۳۶ (۱۰۰۰)

فہرست

	صفحہ

مقدمہ

اس سے قبل انجمن شفیق اورنگ آبادی کا تذکرہ شایع کر چکی ہے
یہ تذکرہ بھی اس کے ایک ہم عصر اورنگ آبادی کا ہے۔ مولف تذکرہ
کا نام اسد علی خاں اور تخلص تمنا تھا۔ شاہ کمال نے اپنے تذکرے
مجموعۂ انتخاب میں صرف چند سطریں لکھی ہیں جن سے ان کا نام،
اورنگ آباد کی وطنیت اور حیدر آباد کے قیام کا حال معلوم ہوتا ہے
مجموعۂ نغز، اور عمدۂ منتخبہ نے صرف نام اور تخلص پر اکتفا کیا ہے تفصیلی
حالات ابھی تک دستیاب نہیں ہوے۔ اس تذکرے میں بھی کہیں
کہیں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ ان کا وطن
اورنگ آباد ہے، ابتدائی تعلیم بھی اورنگ آباد میں ہوئی اور ان
کے استاد داور صاحب تھے جن سے کتب فارسی کی تحصیل کی۔
ان کے ایک ہم مکتب محمد سیف اللہ انور اورنگ آبادی تھے جن کے ساتھ
وہ فارسی کتب (مثل کلام شوکت و اسیر و چار عنصر مرزا بیدل)
کا درس لیتے تھے[1]۔ اس نے اپنے بعض اور ہم مکتبوں کا بھی ذکر
کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ ایک پر لطف صحبت کا ذکر کرتا ہے کہ
وہ اور محمد سیف اللہ انور، صوفی شاہ کاظم اور میر رمز چاروں
ایک جگہ بیٹھ کر اسیر، شوکت اور بیدل وغیرہ کا ذکر اذکار

---

[1] صفحہ ۱۴۳۔

کیا کرتے تھے اور ان میں باہم یہ طے ہوا تھا کہ ان میں سے ہر شخص مشکل اشعار کے معنے علیحدہ علیحدہ لکھے[1]۔ اپنے ایک اور ہم مکتب مہر علی شاہ مہرؔ کا بھی ذکر کیا ہے جو آصف جاہ کے ساتھ دہلی سے آکر اورنگ آباد میں متوطن ہو گئے تھے[2]۔

آزادؔ بلگرامی اورنگ آباد میں کئی سال مقیم رہے اور اکثر لوگوں نے ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ تمناؔ کو بھی شعر و سخن میں انھیں سے تلمذ تھا[3]۔

تمناؔ کے خاندانی حالات بھی اب تک کہیں نہیں ملے۔ سیف اللہ انورؔ کے حالات میں صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ انورؔ میرے والد کی رفاقت میں بسر کرتا ہے[4]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے والد اپنے وقت کے مرفہ الحال لوگوں میں سے تھے۔

تمناؔ کا ابتدائی زمانہ اورنگ آباد ہی میں گزرا اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ لیکن ان کے والد کو سرکاری تعلق کی بنا پر حیدر آباد آنا پڑا تو وہ بھی وہیں چلے گئے۔

خواجہ محمد منعم خاں قدرؔ کے حال میں لکھتے ہیں کہ قدرؔ کے والد کچہری دیوانیٔ صوبۂ حیدر آباد میں مامور تھے، اُن کی وفات پر نواب صمصام الملک بہادر صارمؔ دیوان دکن نے از راہ قدردانی انھیں والد کی جگہ پر مامور کرا دیا۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ۔

"با مولف بسبب ارتباط قدیم و آمد و شد ہر روز گیے در بار نواب

---

[1] صفحہ ۱۵۶ [2] صفحہ ۷۰ [3] صفحہ ۹۹ [4] صفحہ ۱۲

موصوف مدظلہٗ و اشفاقہٗ اتحاد دلی بہم رسانیدہ۔ اکثر گاہ اتفاق ملاقات می شود۔ و در حیدرآباد بہ فقیر خانہ کہ قریب خانہ اش فرود آمدہ ہر روز کرم نمودہ۔ اوقات را بہ فرحت و عشرت می گذراند۔ باوالدِ مولف و پدرِ صاحب ترجمہ وہم چنیں باجدِ طرفین کمال دوستی بود۔"[1] سالم کے حال میں بھی اسی قسم کا ایک جملہ لکھا ہے "بنابر ملاقات ہر روزگی کہ در دربار نواب موصوف دست می دہد بافقیر اتحاد دلی بہم رسانده"۔

اس سے ظاہر ہے کہ تمنّاؔ کو نواب صمصام الملک صارم اورنگ آبادی دیوان دکن کی سرکار سے توسل تھا۔

تمنّاؔ اور ان کے والد کے حالات اس تذکرے سے صرف اسی قدر معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی اور ضمناً دوسروں کے ذکر میں آگئے ہیں۔

تحفۃ الشعرا تالیف قاقسال اورنگ آبادی کے ایک قلمی نسخے کے شروع میں چند شاعروں کے کلام کا انتخاب درج ہے اسی میں تمنّاؔ کا نام اسد علی خاں لکھا ہے اور ان کا یہ شعر بطور انتخاب درج کیا ہے۔

دیکھا پری سا مکھڑا تو دیوانہ بن گیا
تو شمع بن گیا تو میں پروانہ بن گیا

اس کے بعد ہی شفیقؔ کی ایک پوری غزل اسی بحر اور ردیف و قافیہ کی درج ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

گلشن تری نگاہ سے میخانہ بن گیا
نرگس کا پھول بادہ کا پیمانہ بن گیا

---

[1] صفحہ ۱۲۵۔

اس سے ظاہر ہے کہ شفیق اور تمنا ہم مشق ہیں تعجب ہے کہ باوجود ہم مشق و ہم عصر اور ایک اُستاد کے شاگرد ہونے کے شفیق نے اپنے تذکرے میں تمنا کا ذکر کہیں نہیں کیا۔

تمنا کا کلیات میری نظر سے گزرا ہے۔ اچھا ضخیم ہے۔ علاوہ غزلوں کے اکثر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ کلام سے پختگی اور مشاقی ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے وقت میں استادی کا درجہ رکھتے تھے چنانچہ شاہ کمال لکھتے ہیں "احوالش از شاگردان میر موصوف کہ دریں جا حاضراند معلوم شدہ کہ بسیار شاعر مسلم الثبوت دریں ملک بود" دو ایک شاگردوں کا پتا بھی چلتا ہے۔ ایک خواجہ ابوطالب خاں آشفتہ ہیں۔ وہ اپنے ایک شعر میں تمنا کی اُستادی کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں۔

استاد فلاطونم و شاگرد تمنا
آشفتہ دو عالم شدہ یکساں زمن امروز[1]

محمد علی خاں شوق اورنگ آبادی بھی اُن کے شاگرد تھے۔ شوق صمصام الملک صارم کے بھائی عبدالسلام خاں کے فرزند تھے۔ اور عبدالسلام خاں صمصام الملک شاہ نواز خاں مولف ماثرالامرا کے بیٹے تھے۔ شوق اپنی منظوم مثنوی چہار درویش میں لکھتے ہیں کہ وہ تیرہ سال کی عمر (یعنے ۱۱۹۴ھ)

---

[1] صفحہ ۱۷

سے تمنا سے مشق سخن کرتے تھے۔

کری سیزدہ سالگی نے عروج　　پڑی امراور نہی کی سوچ بوج
ہوا شعر کا شوق اک بارگی　　ہوئی جستجو تازہ مضمون کی
ہوا شاعری کا جو مرغوب فن　　کیا ہیں تمنا سے مشق سخن

تمنا کا انتقال ۱۲۴۰ھ میں ہوا شوق نے تاریخ وفات کہی۔

لیا جب تمنا نے راہ قدم　　ہوا موج زن بحر اندوہ وغم
کہا شوق نے سال تاریخ یہ　　وفات بہشتی کرائے دل رقم

مجموعۂ نغز میں اُن کے ایک شاگرد کا ذکر ہے۔ جن کا نام نواب مجاہد جنگ تخلص ارماں ہے جو امرائے نظام الملک میں سے تھے۔

اس تذکرے کا نام پہلے ورق کی پیشانی پر یوں لکھا ہے :۔
"رنگ دوم گل عجائب من مقالات الغرائب"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمنا کی کوئی تالیف "مقالات الغرائب"۔ نام کی تھی جو کئی مقالوں پر مشتمل تھی۔ ہر مقالے کو اس نے "گل" سے موسوم کیا ہے اور ہر "گل" کے ذیلی باب کو "رنگ" کا نام دیا ہے۔ یہ تذکرہ "گل عجائب" کا "رنگ دوم" ہے چونکہ پوری کتاب اب تک دستیاب نہیں ہوئی اس لیے یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ اس میں کتنے "گل" اور کتنے "رنگ" ہیں اور ان میں کن کن مضامین سے بحث کی گئی ہے۔ مولف نے اس حصے کا نام جو "تذکرۂ شاعراں پر مشتمل ہے گل عجائب رکھا ہے جیسا کہ قطعہ تاریخ اختتام تذکرہ سے ظاہر ہے۔

تذکرہ بہت مختصر ہے۔ بظاہر کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی

اس کا اصل نسخہ کتاب خانۂ آصفیہ سرکارِ عالی میں
محفوظ ہے۔ کاٹ چھانٹ بہت ہے، خط بھی خراب
ہے اور کئی خطوں میں لکھا ہوا ہے، ترتیب بھی
درست نہیں بعض شاعروں کے حالات ہیں تو کلام ندارد
اور کلام ہے تو حال ندارد۔ بعض شاعروں کے نہ حالات ہیں نہ کلام
تاہم یہ تذکرہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ اسی میں بعض کام کی
باتیں مل جاتی ہیں۔

تذکرے کی تالیف کا آغاز ۱۱۹۲ھ سے ہوا اور اختتام ۱۱۹۴
میں جیسا کہ قطعات تاریخ سے ظاہر ہے۔

اس میں بارھویں صدی ہجری کے اواخر کے اکثر اُن شعرا کا
حال اور کلام ملتا ہے جو قلمروِ آصفیہ میں تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب
سراج وغیرہ کے بعد دکن میں ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔
اورنگ زیب عالمگیر کی ایک عمر دکن میں بسر ہوئی، عالمِ شاہزادگی
میں بھی اور شہنشاہ ہونے کے بعد بھی اس کا مستقر اورنگ آباد
خجستہ بنیاد تھا اور کئی لاکھ فوج جو اس کے ساتھ تھی وہیں
مقیم تھی۔ یہ شمالی ہند کا لشکر اپنے ساتھ اپنی زبان بھی لایا تھا۔
اس دور میں اورنگ آباد کی تقریباً پوری آبادی شمالی ہند کی آبادی
تھی اور سارا رنگ ڈھنگ دلی کا سا نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس
زمانے کی زبان اس کی صاف شہادت دے رہی ہے۔ سراج کے
کلام کا مقابلہ آبرو، حاتم، ناجی وغیرہ سے کیجیے معلوم ہوتا ہے
ایک ہی مقام کے شاعر ہیں۔ یہ سلسلہ آصف جاہ اول تک برابر جاری

رہا کیونکہ جب وہ دلّی سے اورنگ آباد آئے تو دلّی کی آبادی کا منتخب حصہ ان کے ساتھ یہیں آکر متوطن ہو گیا۔ اس زمانے تک شمالی ہند کی زبان کا اثر اورنگ آباد میں پورے طور پر باقی رہا۔ اس کے بعد جب اورنگ آباد کی بجائے حیدر آباد پایۂ تخت آصفی قرار پایا اور اُن نو واردوں کی اولاد کا دور آیا تو ترک مقام، تغیر حالات و ماحول اور مرور زمانہ سے زبان میں بھی فرق آگیا۔ یہ تذکرہ اس ادبی دور انقلاب کا نشان دیتا ہے۔ اس نظر سے اس کا مطالعہ کچھ نہ کچھ ضرور بصیرت افروز ہوگا۔ اس سے معلوم ہوگا کہ تیس چالیس سال کے عرصے میں دکن میں اردو نے قواعد، محاورہ و روزمرہ اور لب و لہجہ کے اعتبار سے کیا صورت اختیار کر لی تھی۔ شاہ سراج کے دور تک اہل ہند اور اہل دکن (یعنے اہل اورنگ آباد) کی زبان میں کوئی خاص امتیاز نہ تھا اور کچھ تھا بھی تو برائے نام۔ اورنگ آباد والوں نے زبان اور لب و لہجہ ہی نہیں بلکہ وضع قطع بھی دلّی والوں کی اختیار کر لی تھی۔ لیکن تیس چالیس سال میں اُن اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر ہم کر چکے ہیں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ تمنا افسر کے متعلق لکھتا ہے کہ "گفتگو یش بطرز اہل ہند مانوس است"

اس تذکرے میں ایسے شاعروں کا حال ہے جو مولف کے ہم عصر تھے اور اکثر اس کے دوست اور ملاقاتی۔ اکثر شعرا اورنگ آبادی ہیں یعنے ان میں سے بعض اورنگ آباد میں رہتے ہیں بعض حیدر آباد میں لیکن ہیں وہ بھی اورنگ آباد ہی کے۔

مؤلفِ تذکرہ نے حالات کے لکھنے میں کوئی خاص اصول مدنظر نہیں رکھا، اس نے بھی وہی عام تذکرہ نویسی کی روش اختیار کی ہے جو اس سے قبل کے تذکروں میں پائی جاتی ہے لیکن جہاں تک اس کی دسترس تھی سنین وغیرہ بھی درج کر دیے ہیں اور حالات اگر معلوم ہو سکے تو ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ اُمید، موسوی خاں جرأت، حشمت، درگاہ قلی خاں ذکا، ضیا، قدر، عاجز، عزلت، عروج وغیرہ کے حالات سے ظاہر ہے۔

اس میں بعض نئی اطلاعیں بھی ملتی ہیں مثلاً آزاد بلگرامی کے اردو دیوان کا ذکر جس سے مولف نے دو شعرا انتخاب کیے ہیں یا تذکرۂ بہار و خزاں کا ذکر اور اس پر رائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عروج کا تذکرہ ۱۱۹۲ سے قبل لکھا گیا تھا۔

بہرحال یہ چند باتیں اس تذکرے میں کام کی نظر آئیں اس لیے انجمن نے اسے طبع کر کے شایع کیا ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ جس سے یہ تذکرہ مرتب کیا گیا ہے اکثر جگہ سے بوسیدہ اور مسخ و مجروح ہے اس لیے اس کی ترتیب میں بہت دقت اُٹھانی پڑی۔ اس کے بعض حصوں کا کاتب بہت غلط نویس ہے، اکثر املا کی غلطیاں موجود ہیں اور اشعار غلط نویسی کی وجہ سے وزن و بحر سے خارج ہو گئے ہیں، ان کو دوسرے تذکروں اور دیوانوں سے یا سیاق سباق سے

درست کرنا پڑا۔ بعض اشعار جو بالکل مہمل ہو گئے تھے مجبوراً خارج کرنے پڑے۔

مجھے اس کی اصلاح و ترتیب میں شیخ چاند صاحب ایم۔ اے ال ال۔ بی، سابق ریسرچ اسکالر (عثمانیہ) سے بہت مدد ملی ورنہ اس قدر جلد شایع نہ ہو سکتا۔

عبدالحق

قطعهٔ تاریخ آغاز تذکره

چون این تذکره را نمودم شروع
ز حق است امید اتمام او
تمنا بتاریخ سالش ز من
خرد گفت آغاز صحف بگو

۱۱۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الالف

آرزو

بزم آرائے گفت وگو، سراج الدین علی خانِ آرزو۔ نونہالِ بدوِ شعورش چوں بسر سبزی چاردہ سالگی رسید، داخلِ خیابانِ جرگۂ طلبہ گردید۔ بعدش کہ غنچۂ موزونیت گل کردنی بود، بگفتنِ اشعار میل نمود۔ و بمیر صاحبِ سخن کہ ذکرش در رنگِ اوّل گذشت آثارِ افکار میگذرانید۔ بعد از مفارقتِ ایشاں میر غلام علی احسنی مراسمِ تربیت بتقدیم میرسانیدند۔ چنانچہ بسنِ شانزدہ سالگی غزلے گفتہ از نظرِ ایشاں گذرانید کہ مطلعش اینست:

تا دیدہ ام بزلفِ پریشانِ او گرہ — دارم چو گردبادِ نفس در گلو گرہ

ونسبِ ایں بزرگوار از طرفِ والد شیخ کمال الدین ہمشیرہ زادۂ قطب الواصلین شیخ نصیر الدین المشتہر بچراغ دہلوی میرسد۔ واز جانبِ والدہ بزمرۂ سرحلقۂ ولایت و مرکزِ دایرۂ ہدایت شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہ می پیوندد۔ ونسبِ شیخِ موصوف بچند واسطہ بسر دفترِ اولیا خواجہ فریدالدین عطار میرسد۔ لہٰذا فرزندانِ ایشاں را

عطاری گویند چنانچہ خود میگوید:

جدّ است مرا حضرتِ عطّار ازیں راہ　　اشعارِ خود اکنوں بنیشاپور فرستم

زبس کہ بادۂ فکر در خمخانۂ طبعش اعلیٰ است ، بنوشتنِ آں دماغِ شوق را نشۂ دو بالا - ایں چند سیاہ جو ہر از تیغِ فکر اوست :

رات پروانے کی الفت ستی روتے روتے
شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے

داغ چھٹتا نہیں یہ کس کا لہو ہے قاتل
ہاتھ بھی گھِس گیا دامن ترا دھوتے دھوتے

غیر لوٹیں ہیں صنم مفت تیرے خط کی بہار
ہم یوہیں اشک کے دانے رہے بوتے بوتے

کس پہ یڑوسے ہوئی تجکو میری چشم دو چار
کہ میں دیوانہ اُٹھا خواب سے سوتے سوتے

تیرے دہن کے آگے دم مارنا غلط ہے
غنچہ نے گانٹھ باندھا آخر سخن ہمارا

جان تجھ پہ کچھ اعتماد نہیں　　زندگانی کا کیا بھروسا ہے

مرزا منعم کہ احوالش میرسد ایں مضمون را خوب بستہ وبرہانِ استحقاقِ ایں مضمون آوردہ:

ہمارے پاس ہی آیا نہ آیا　　بھروسہ کیا ہے جی آیا نہ آیا

آزاد

عیسیِ معجز طرازِ سخن، موسیِ صاحبِ اعجازِ آں وادیِ ایمن، جاں بخشِ قوالبِ شعر و انشا، مصنفِ نسخۂ پسندیدۂ یدِ بیضا، عالی فطرت، والا نژاد، میر صاحب میر غلام علی آزاد، دام اشفاقہ و زاد اخلاقہ، بارگاہِ عالی جاہِ سخن گستری بہ یمنِ ذاتِ مبارکِ او رشک افزاے پیشطاقِ سلاطینِ عظیم الشان است، و معلیٰ آستانۂ عالم پناہِ معنی پروری بفرِ عنصرِ ہمایون برکاتِ او روکشِ ایوانِ خواقین سموالمکان۔ در السنۂ متعددہ مصنفات دارد و در ہر فنِ سخن بیشتر مولفات دواوینِ عربی و فارسیِ او بین الجمہور سایر است، و کلیاتِ او نظماً و نثراً از فرطِ قبول در اکثر بلاد دایر۔ خامۂ ثناگذار در تحریرِ فضایلش الکن، و نامۂ اوصافِ آثار در احصائے حسنِ خصایل خناق الفصاحہا اکمن۔ ترجمۂ خود را در کتبِ تصنیف و تالیف تفصیلاً مرقوم ساختہ، و در بیانِ احوال و کسبِ کمالِ خود خوب پرداختہ۔ چوں دریں اوراق طریقۂ ایجاز و اختصار مسلوک است لہذا برہمیں قدر اکتفا رفت۔ اشعاریکہ از دیوانِ فصیح البیانِ او انتقاط و اقتباس یافتہ، بہ نظارگیانِ ایں سیرگاہ چنیں عرض میشود:

باغ میں جانا ہے میرا کام کا　　　شوق ہے مجکو گلابی جام کا

کہوں کیا اوسکی بے پروائیوںسے دل پریشاں ہے
نہ آیا ایکدم مجہ پاس جس کا نام جاناں ہے

ایجاد

گوہرِ صدفِ فصاحت ناوک ہدفِ بلاغت درفنِ گفتگو استاد نقد علی خاں ایجاد۔ از قومِ قاچار، نام اصلی او میر علی نقی، خلف الصدق نقد علی خاں مرحوم ہمدانی کہ با شیخ علی خاں وزیرِ شاہ سلیمان صفوی بقرابتِ قریبہ مشہور بود۔ و در عہد آصفجاہ طاب ثراہ بدیوانیِ پادشاہی فرخندہ بنیاد مدتے مامور بود۔ در آں زماں خان ایجاد نیز بسیار قرب و مصاحبتِ نواب داشت و بخدمتِ کوتوالیِ لشکر سرافراز بود، بعد وفاتِ والد بخطاب دیوانیِ موروثی سرافتخار برافراخت۔ بعدش بداروغگی فیلخانۂ سرکار نواب صلابت جنگ سربلند گردید، و در عصرِ نواب نظام الدولہ فتح جنگ بہادر بہ خدمتِ آتالیقی صاحبزادہ بلند اقبال انتظام الدولہ نصرت جنگ بہادر چندے سرگرم بود۔ دریں ایام در حیدرآباد بخانہ خود فروکش کرد، مرد بزرگ خوش مزاج و نیک مشرب است، پنجۂ شاہدِ فکرش از حنائے مضامین رنگیں و ابروئے محبوبِ خیالش از وسمۂ معانی نگاریں۔ غزلِ فارسیش چوں زلف خوباں مسلسل، و مضامینِ تازہ اش از رخسارۂ محبوباں بدل۔ ریختہ اگرچہ زبانش نیست فامّا بزورِ طبیعتِ دقیقہ شناس بحسن کیفیت سرانجام می دہد۔ گاہ گاہ اتفاقِ ملاقات می افتد، عزیز کسے است، حق سبحانہٗ سلامتش دارد۔ ایں چند نقشِ دلکش از نقاشِ طبع اوست ؎

مونہہ تو دیکھو اس ہمارے کلکِ گوہر بار کا	جو زباں پر لا سکے ذکر احمدِ مختار کا
صاحبو میں اعتقادِ پاک سے کہتا ہوں صاف	ہے غلام ایجاد اوسکا اور اوسکے چار کا

سنٔے رمز میں ہے کام ثواب و عذاب کا | کوئی مستحقِ لطف ہے اور کوئی عتاب کا

ایجاد بیٹھ رہ تو نجف کی زمین میں　　نقشِ قدم ہو خاکِ رہِ بوتراب کا

حاضر رہا ہوں ساتھ جہاں تو چلا پھرا　　قدموں سے تیرے سایہ نمط میں لگا پھرا
خط تو نے جسکا لایا اے قاصد وُو آچکا ؟　　تجکو بُرا تو کیا کہوں اب بھی بھلا پھرا

اوس ماہرو کا زور ہی جھلکے ہے گوشوارا　　کیا چاند کے گھر آیا اب مشتری کا تارا

رزالے جو زریکا باندھتے ہیں سر پر اب توڑا
تجھے اونکو خوب لگتا ہیں بجز پاپوش کا جوڑا
سوارِ مرکبِ دولت ہوئے ہیں گاڑوے یہاں تک
کہ خر خاوند جو نیں تھا گدھے کا اب چڑھا گھوڑا

ہم اسیرونکو تری زلفونسے ہے وابستگی　　کون کافر چاہتا ہے ایسے دامونسے نجات

تربت پہ میری شمع اگر تو نہ لائیگا　　جلتا رہونگا حشر تلک میں کفن کے بیچ
تجھ لب سا کوئی عقیق نہ پایا سہیل نے　　راتونکو بھی چراغ لے ڈھونڈا یمن کے بیچ

آج آنے سے ترے دل ہوا یوں شاد کہ بس
اس خرابے کو تو ایسا کیا آباد کہ بس
رات شیشہ کو جھکاتے ہی بھری مجلس میں
اِس مزے سے مجھے ساقی نے کیا یاد کہ بس

جسطرح ہے عندلیبونکو گلستان کا تلاش اسطرح سے ہی ہے مجکو سیرِ خوباں کا تلاش
جس کے لب کی گفت و گو سے شور میں آوے جنوں ۶ میرے داغِ دلکو ہے ویسے نمکداں کا تلاش

تم کو ہے یارو اگر حسنِ بیاں کی احتیاط جیوں قلم ہر بات میں کیجے زباں کی احتیاط
آنسوؤنکے کر چکا ہوں میں حوالے آہ کو ہر کہیں ہے فوج کے ذمے نشاں کی احتیاط
احتیاطیں کرتے کرتے مر چکے ایجادؔ ہم اب جو نوبت جاں پر آئی کہاں کی احتیاط

کیا بلا کیفی بتوں کے گھر ہے رہ جانیکا حظ
انکو مے پینے کا ہمکو گالیاں کھانیکا حظ
کب لگے ہاتھ ایسی دولت جو میسر ہو سکے
جیوں حنا پھر تیرے قدمونسے بلگ جانیکا حظ

مجھ دِوانے کے لئے صحرا میں بھی کرتے ہیں فرش
بیدِ مجنوں اپنے سایہ کے پلنگ بید باف

ہُوں تیرے نقشِ قدم سا میں زمیں گیرِ فراق
مجھ سے کیا اب خاک ہو سکتی ہے تدبیرِ فراق

جب سے ترے ہونٹوں کی دھڑی دل پہ جمی ہے
گر گئے میری نظروں سے عقیقِ جگری رنگ

بیٹھا ہوں ترے ابروئے خمدار کے نزدیک
سر اپنا رکھا ہوں اسی تروار کے نزدیک

ہوں مُردۂ دیدار مری نعش کو یارو
رکھ دیجو ٹک اوس نرگسِ بیمار کے نزدیک

بکتا ہوں زرِ مِہر کو بازارِ وفا میں
ان مولوں گراں نیں ہوں خریدار کے نزدیک

کہیں اور نہ ڈھونڈیو مجھے حشر میں ایجاد
پاسے ہوں وہاں حیدرِ کرّار کے نزدیک

میکدے میں کون رکھتا غیرتِ پیرِ مغاں
گر نہ دیتی دخترِ رز اپنی حرمت کی قسم

میں جُدا تجھ سے نہونگا تو بھی دل مجھ سے نہ ہو
مجکو اُلفت کی قسم تجکو مروت کی قسم

کیسے دریا سا دِل اپنا ہم اے دِلدار دیتے ہیں
ہر ایک کو ہم کہاں یہ گوہرِ شہوار دیتے ہیں

خبر جو اوس کماں ابرو کی خیریت کی لاتا ہے
اوسی دم ہم اوسے اِنعام اِک تروار دیتے ہیں

تُم ہو یہ فِدوی ہو جامِ مینا ہو گھٹا ہو راگ ہو کشتی ہو سیرِ دریا ہو

کھول زلفوں کو صنم چھوڑ گرفتاروں کو
کب تلک باندھ رکھیگا تو گنہگاروں کو

یار آتا ہے ارے دل کہہ اب اشکوں سے شتاب
حوض آنکھوں کے بھریں چھوڑ دیں فوّاروں کو

جس کے ہم ہو رہے ایجاد اوسی سے ہے رجوع
اور یاروں ستی کچھ کام نہیں یاروں کو

یکایک میرا طفلِ اشک گھر سے چل دیا یوں ہیں
ہر اک لڑکا ہوا خود اختیار آہستہ آہستہ

رکھا ہوں اس دلِ نازک کو جانکر شیشہ
جس احتیاط سے رکھتا ہے شیشہ گر شیشہ

پھپھولے تیرے تغافل سے دِل میں ہیں ساقی
علاج کون کرے گا مرا مگر شیشہ

گلگشت کی خبر جب تیری چمن میں پاتی
بادِ صبا خوشی سے پھولونیں نیں سماتی

لختِ جگر جو ہم روئیں اے ابر تو جو روئے
پانی ہو تیرا زہرا پھٹ جائے تیری چھاتی

کن کن کے سر چڑھو گے کس کس کا خوں کروگے
باندھی ہے لال پگڑی اب تم نے چھپاتی

چمن میں جا ارے صیّاد رخصت لے کے مالی سے
ہمارا بھی قفس لٹکا دے چندے گل کی ڈالی سے

..رنگی دیکھ کر تیری مجھے جب دل میں درد آوے
ہر اک آنسو گلِ رعنا سا میرا سرخ و زرد آوے

یہ نامردوں کی عادت آپڑی اوندھے مزاجوں سے
کہ بیٹھے اوسکے طرف کر بیٹھیں جو مجلس میں مرد آوے

اس چمن میں جسے دیکھو اوسے حیرانی ہے غنچہ کو تنگدلی گل کو پریشانی ہے
جبہہ سائی سے نکر منع مرے تئیں کہ مجھے سر ترے پانوں پہ رکھنا خطِ پیشانی ہے

انصاف

سزاوارِ اوصاف، علی نقی خاں انصاف۔ خلف الصدقِ بزرگ خاں ایجاد است، ونقشِ فکرش دلکش از نگارِ مانی و بہزاد از بدو شعور باکتسابِ علوم پرداختہ یگانۂ خاندان برآمد۔ از خورد سالگی بظلِ تربیتِ پدر بہرہ مند شدہ و والد اینز درحقِ پسر توجہ خاص است، اکثر زبانِ خود پیش فقیر زبان بوصفش کشادہ وخان انصاف خط بطرز شفیعہ می نگارد۔ جوان خلیق، قابل از علم فارسیہ و عربیہ دست پر زور دارد، وسحابِ فکرش در گلشنِ سخن چنیں می بارد۔
وِرد ہے انصاف کو حکمِ خداوندِ جلیل یعنی بعدِ شکرِ حق ایجادِ امجد کی ثنا

رنگ میرا درد کے زر سے ملمّع ہو گیا دل بھی داغوں سے محبّت کے مرصع ہو گیا
جب سے دلمیں خوش خطونکی صورتونکا نقش ہے میرا سینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو مرقع ہو گیا

کس پہ تلوار اوسنے کھینچا سر دھلکتا ہے مرا کس پہ اینچا ہے کٹاری دل کھٹکتا ہے مرا
اوس شرابی کے لیے میں بھی کبابی ہو گیا قیمہ قیمہ ہے جگر اور دل دھلکتا ہے مرا
مجکو دیتا ہے مگر آئینہ برداری کا کام چشم بد دوران دنوں ماتھا چمکتا ہے مرا

ذوق سے عشق کی موجوں میں بہا جاتا ہوں جسطرف یار لیجاتا ہے چلا جاتا ہوں

چاہے ہے انقلاب طبیعت بہار کی تقصیر کچھ نہیں ہے خزان و بہار کی

افسر

فراست کردار سخنور باقر علی خاں افسر، خلفِ ارشدِ خانصاحب ایجاد و برادرِ خوردِ خان انصاف۔ خلعتِ آراستگی بقامتش دوختہ اند، و شمعِ پیراستگی بمحفلِ او افروختہ، جوانیست بغایت رنگیں، و مردیست شائستۂ تحسیں، و نبالۂ شتابِ گرم جوشیہا، و پیرو چسپاں اختلاطیہا، آہوئے مشکین نفسِ مضموں در کمندِ فکرش صید، و تدروِ خوش رفتارِ معنی در کہسارِ الفاظش قید۔ با فقیر محبتِ دلی دارد۔ ایں سحر کاریہا از افسونگرِ طبع اوست:

کب سُنتے ہے گوشِ گُل تیری پکار اے عندلیب
گو تو گلشن میں کرے نالے ہزار اے عندلیب
اب تو کیوں اپنے قفس میں غنچہ سا دلتنگ ہے
دیکھ کس کس رنگ سے آئی بہار اے عندلیب

افسر

بلاغت شعار سخن پرور، افسر خلف الصدقِ سید نوازش خاں راز، کہ ذکرش پستہ خواہد آمد، و برادر خواجہ میر سید علی رمز است، تولدش در خجستہ بنیاد واقع شدہ جوانِ قابل میرزا منش یار باش است، و شعر سرا در ہر دل و ہر محفل غزل فارسی را بہ بہترین آئین سرانجام میدہد، و ریختۂ ہندی را بہ خوشترین مضامین میگوید، گفتگویش بطرز اہلِ ہند مانوس است از فقیر بگرم جوشیہا برمیخورد، از آشنایانِ درست است، ایں

چند جواہر پارہ از افسرِ طبع اوست ؎

نہ لیتا گر مرا دِل تیرے للچانے کے کام آتا　　کھلونا تھا وہ تجہ بدخو کے بہلانے کے کام آتا

یہ نہ سمجھو کہ میرا چاک گریبان ہُوا　　زخمِ دِل پردہ نشیں تھا سو نمایان ہُوا
حُسنِ یوسف کی نہیں چاہ مجھے سُنتا ہے　　چاند صدقے تیرے مکھڑے کے ہیں قربان ہُوا

وہ سرخ لب غضب سے گر آوے سخن کے بیچ　　کیا نقش بیٹھے واہ عقیقِ یمن کے بیچ
قاتل لہو سے غسل تو دیکر لپیٹیو　　ہم بسملونکی نعش گلابی کفن کے بیچ
روشن نہ کیجیو شمع کو زنہار دیکھنا　　پروانہ سان جلونگا ابھی انجمن کے بیچ
افسر دِل و جگر کہیں جل بل نہ جائے ہائے　　بیطرح شعلے آہونکے بھڑکے ہیں تن کے بیچ

مرنے اور پھکنے کی اوسکے اور جلجانیکی طرح
تو نے دیکھی شمع اپنے ہائے پروانے کی طرح
نام سن مجنونکا کیونکر خوش نہو لیلیٰ کی روح
اوس دوانیکو بھی بھاتی تھی وہ دیوانے کی طرح
عشق میں شیریں کے ناحق جی دیا لے کوہکن
کس سے سیکھا تھا رے ظالم ایسی مرجانیکی طرح

ویران نہیں ہوا ہے مرا آشیاں ہنوز　　یکمشت پر پڑے ہونگے اے باغباں ہنوز
ہم سے نہ پوچھ افسر بے دست و پا کو ہائے　　کراہتا کہیں پڑا ہوگا وہ نیم جاں ہنوز

مر گئے پہ ہمسے آنکھیں نہ تو نے ملائیاں — اسکا برا ہو جس نے یہ طوریں سکھائیاں

جسوقت سیر باغ سے وہ خوش تین چلا — نرگس کے سارے تختہ کی آنکھیں بھر آئیاں

کس بیکسی سے کاٹی تھیں افسر نے میرے ہائے — اے ہجر جانکنی کی وہ راتیں پھر آئیاں

کیا جانیے کہاں ہے ہمارا غریب دل — بیچارہ دل ستم زدہ دل بے نصیب دل

محفل میں دل جلونکی نہ لاؤ چراغ کو — روشن کرو نہ کوئی میرے دل کے داغ کو

گر ایک شب سحر کو نکالوں جگر سے آہ — مرغ چمن جلا دونگا میں تیرے باغ کو

کبھو تو یہ نہوا تمسے دل کو شاد رکھو — جو کچھ کہ ہمسے کئے تم بھلا جی یاد رکھو

سوتا ہے شب کو تو جو لے رخ پر نقاب کو — ظالم کیا ہے داغ دل ماہتاب کو

رونے سوائے دل کو مرے کام کچھ نہیں — سمجھاؤں کسطرح سے یہ خانہ خراب کو

بیہوش دیکھ یار نے افسر کو کہہ اوٹھا — اس ناتواں کے چہرے پہ چھڑکو گلاب کو

افسر کو کیوں ستاتے ہو یارو بیان عشق — مت گفتگو کرو کہ وہ خود ہے زبان عشق

کھاتے ہی کھاتے لخت جگر موہنہ تو پھر گیا — کہتا تھا دلکو ہائے نہو میہمان عشق

کبتک سنوں میں تجھسے شکایت پتنگ کی — اے شمع بس بہت مجھے تو نے بتنگ کی

کوچہ سے اوسکے دل تیرا آنیکو جی نہ تھا — اے خانماں خراب جو ایتی درنگ کی

کیا ہے قتل کس نے عندلیبوں کو صبا سچ کہہ　　لہو کی باس آتی ہے ہمیں گل کے گریباں سے

مرے جو سینۂ سوزاں سے آہ نکلے ہے　　زبانِ شمع سے جوں شعلہ واہ نکلے ہے
نمی تو رونے کی آنکھوں میں نہیں رہی افسرؔ　　مگر کہ لختِ جگر گاہ گاہ نکلے ہے

جس وقت آہِ سرد کی میری ہوا چلے　　طاقت نہیں کہ کوچہ میں اوسکے صبا چلے

وہ دن خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی کبھی　　کٹتی ہے رات جیسی ترے بیقرار کی

شکست اس دل ہمارے کی تو اے دل سخت کیا جانے　　کہ شیشہ ٹوٹنے کی قدر پتھر کی بلا جانے

دل کو گنوا جگر کو جلا دل کو دے چلے　　اے یار تیرے کوچہ سے ہم کیا نہ لے چلے
لے بیخبر دوانے کی اپنے خبر تو لے　　افسرؔ کے سر پڑے کو نکے پتھرے بھلے چلے

محمد سیف اللہ انورؔ

سخن فہم بینظیر، صاحبِ فراست روشنضمیر، والاطبع نامور، محمد سیف اللہ انورؔ۔ سروِ ہستیش از گلشن آبادِ خجستہ بنیاد سر کشیدہ، از بدوِ سنِّ تمیز باکتساب علوم میل نمود، و در چندے یکتا بر آمد۔ فقیر و او ہم مکتب بلکہ اکثر اوقات باہم در حصولِ کتب تحصیلی فارسیہ در جنابِ حضرت داور صاحب قبلہ مدظلہ مثل شوکت و اسیر و چار عنصر مرزا سامع وقاری بودند۔ و در عربیہ شمعِ ادراکِ خود را از شعلۂ توجہ میر صاحب میر انور الدّین

دِل سلمہٗ اللہ افروختہ۔ در عالمِ دوستیہا آشنائے یگانہ است، و در جہانِ آشنائیہا مفتخرِ زمانہ۔ مردیست مودت پیشہ، و جوانے محبت اندیشہ۔ نہنگِ ہستیش در محیطِ خجستہ بنیاد، آشنائے امواجِ مضامین و بحورِ اشعار است، و جیبِ صبرش از کشاکشِ پنجۂ عشق تاپار۔ با مولف مودتِ صمیم میدارد، و برفاقتِ حضرت ابوی دام ظلہٗ وزاد قدرہ، بسر می برد۔ او را بحانۂ سلامتش دارد۔

مگر گنجِ شہیداں باغباں تھا اس بیاباں میں
جو لختِ دِل سوا کچھ اوگتا نئیں اس خیاباں میں

تمنا نئیں ہے مال و جاہ کی ہکو درختوں بن
ہے بہتر چتر سے مجنوں کو سایہ بید مجنونکا

اے شہسوار گرمِ عناں مت ہو اس قدر
ڈرتا ہوں میں نجاے لچک مو کمر کہیں

دشت میں تیرے شہیدونکا صبا کر کے سراغ
لے گئی رن سے اُڑا کر مشک کی بو ٹے لہو

ہو گئی گرد ترے دام کے خوشبو صیاد
بالِ بلبل سے مگر نکہتِ گل کرتی تھی

آرسی کو مت دکھا مژگان و ابرو بہر گر
خنجر و شمشیر شیشہ میں لڑتا ہے کوئی

عصمت کا لاف مار نہ گل میرے یار سے
بدنام تو بھی ہیگا چمن میں ہزار سے
پلکونمیں میری اشک نہو جھو قطار سے
یہ موتیا کے پھول ہیں اوگے ہیں خار سے
دامان و آستیں سے پلا ہے یہ طفل اشک
ہو وے جدا وہ کسطرح میری کنار سے

ہیگا فغاں میں ساتھ مرے سنگ بھی شریک　　　آوے ہے دشت بیچ صدا کو ہسار سے

ہے نمایاں رُخ پہ تیرے خطِ ریحاں آجکل　　　مور کے قبضہ میں ہے مُلکِ سلیماں آجکل
عاشقوں کے قتل پر امروز و فردا خوب نہیں　　　دیکھ کہیں ہو جائیگا کافر مسلماں آجکل

عشق میں مہتاب رُو کے دم نکلے رویا جو میں　　　چاندنی پر اشک گر گر کر ستارے ہو گئے

سبز چیرے میں مت چھپا کاکُل　　　حق میں کالے کے وو زمرّد ہے

متصل ہے چشم سے اور تابدار　　　شاخِ آہو ہے مگر ابروے یار

نت لہو پیتے ہو دِلکو کر گلابی کا خیال　　　کیوں پرائے مال پر آنکھوں کیتیں کرتے ہو لال

لگا وسمہ نکر ابرو کو بے آب　　　نکر اس تیغ کو ظالم سیہ تاب

اِفتخار

درنادر ہندی ضرب المثل و نامدار، میر عبدالوہاب افتخار پیدا یشش والا یش از دولت آباد است، و در فن شاعری میر صاحب میر غلام علی آزاد اوستاد۔ درریختہ بیگل تخلّص مینماید، پیشتر ازیں تذکرۃ الشعرا مسمے بہ بے نظیر رقم نمودہ، و تلاشِ فراوان بکار بُردہ از دست۔

سیجے یک عالم گریباں تا بدامن چاک کو سی نسکیے ایک بھی چاک دلِ غمناک کو

نرگسِ باغی کو ہے آنکھ پر اپنی غرور آکے ذرا اسکو تم چشم نمائی کرو

شہیدِ کربلا کے مشہدِ اقدس پہ جا ہو یے جو خاک ہونا ہے آخر کیوں نہ خاکِ کربلا ہو یے

برسے ہے ابرِ رحمت ساقی کدھر ہے مینا ہنگامِ بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب
جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطفِ زندگانی آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب

سروکو رتبہ نہیں آگے ترے اے سبز پوش ایک تجھ بازارِ خوبی کا ہے وہ سبزی فروش

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا سُرخ و سُفید ماٹی کی مُورت ہوئی تو کیا
مرا دل گلرخوں نے ساتھ سے گئے حنا کے رنگ ہاتوں ہاتھ لے گئے

آشفتہ

صاحب زبانِ الفاظ شُستہ و رُفتہ، خواجہ ابو طالب خاں آشفتہ، خلفِ اشرف خواجہ اشرف خاں بہادر غضنفر جنگ است، و گلشنِ فکرش را تازہ آب و رنگ۔ قبل ازیں بدار وغگیِ فیلخانۂ نواب نظام الدّولہ بہادر سرفرازی داشت۔ و والدش نیز بدیوانیِ پادشاہی بلدہ حیدرآباد مامور بود۔ جدّش نواب عمادالملک مبارز خاں شہید کہ احوالش مکتتبِ تواریخ من وعن مندرج است۔ جوانِ صالح

بزیورِ قابلیت پیراستہ، و بجواہر آدمیت آراستہ۔ دانائے مدارجِ علم مجلس و پاسداری
وشناسائے مقارنِ یار باشی و غمگساری۔ بافقیر یگانگت تمام میدارد، و از گرم
جوشیہائے شبا روزی سرد مہریٔ یاران ناسزا دفع میسازد۔ بسببِ پاسِ
خاطر و مُصر شد نش فقیر گاہ بیگاہ بحکّ واصلاح می پردازد۔ اگرچہ در عالم دوستیہا
شاگردی و استادی راچہ دخل فامّا اینقدر باستمداد کردنِ او نوشتہ شدہ۔ چنانچہ
خود گوید۔

اُستادِ فلاطونم و شاگردِ تمنّا آشفتہ دو عالم شدہ یکسان زمن امروز

شمعِ ہستیش در محفلِ فرخندہ بنیاد فروغ گرفتہ، چرب زبان گردید۔ ایں
روشنی از فتیلۂ فکر اوست۔

سبز ہو نخل مری آہ کا پھوٹا نکلا، قدِ دلدار ہوا سرو کا بوٹا نکلا،

سجن کے موتہہ سے نکلتی ہے اب شراب کی بو
چمن میں جسطرح مہکے گُلِ گلاب کی بو
تمھاری زلفِ معنبر کے سامنے پیارے
ہے کیا مجال مقابل ہو مشکناب کی بو
وہاں کی خاک اے آشفتہ اپنے سر پر رکہہ
کہ جس زمین سے نکلے ہے بُو تراب کی بو

وہ اپنے گھر ستی مستِ شراب نکلے ہے طلوعِ صبح کا جوں آفتاب نکلے ہے

آتا ہے کہاں غنچہ کو یہ ڈھنگِ تبسّم جو لب پہ نمایاں ہے ترے رنگِ تبسم

بلبل کی خاک پر اب پھولونکی کیا ہے حاجت　　مشہد پر اوسکے ہیگا روشن چراغ گل کا

پانوں پڑتا ہوں مرے خون کو مل اے مشفق　　یار کے ہاتھ میں مشاطہ حنا ایسی ہو

خوں ہے کِسکا نگار سچ کہیو　　تیرے دامن پہ یار سچ کہیو
دود پہنچا زمیں سے تا بفلک　　کس کی ہے یہ مزار سچ کہیو

میں کب سے ترا طالبِ دیدار کھڑا ہوں　　رسوا شدۂ کوچہ و بازار کھڑا ہوں
کرتا ہے اگر قتل تو پھر دیر کی کیا وجہ　　حاضر ہوں ترے روبرو جلاد کھڑا ہوں

صیاد تجھکو دیکھ یکایک پھڑک اوٹھی　　بلبل نے شاخ گل سے سر اپنا پٹک اوٹھی
گلرو تو مت سمجھ کہ ہے تختہ گلاب کا　　بلبل کے دل کی آگ تھی آخر دہک اوٹھی

خط چھین لے کے اوسنے کبوتر کے پر کسے　　اے نامہ بر چلا ہے کہاں تو کمر کسے

کیا بزم میں گلابی چلی ہے چمن کے بیچ　　ساقی یہ طور تیری بھلی ہے چمن کے بیچ
خاکستری بدن ترا کِس سرو نے کیا　　قمری تو کِس کے ہاتھ جلی ہے چمن کے بیچ
شاید ہے دستِ نازکِ گلروئے سبز پوش　　یہ شاخِ گل نہیں جو ہلی ہے چمن کے بیچ
خم جوش میں ہے ساغر و مینا ہے لوٹ پوٹ　　کِس نے گلابی آنکھ ملی ہے چمن کے بیچ

آج گلشن میں کھلی ہے اوسکی کاکل بے طرح　　کیا عجب گر پیچ کھاوے شاخِ سنبل بے طرح

مردمک روتی ہے اور لاگی ہے مژگانکی جھڑی
خوب برسائی گھٹانے ابر نیسانکی جھڑی
ڈوب جاوینگے زمین وآسماں یک پل کے بیچ
بیطرح لاگی ہے ایدل چشم گریانکی جھڑی

اے آہ تو نے آنکھ سے لو ہو بہا چلی | لخت جگر کو خون میں ظالم ڈبا چلی
ٹکڑے کر اپنے دلکو اے بلبل سحر کے وقت | غنچونکے چاک کرنیکو باد صبا چلی

فصل گل کیوں جہان پر آئی | عندلیبوں کی جان پر آئی
پھر مزا کیا رہا مرا صاحب | بات جب امتحان پر آئی

گریباں چاک پھرتا ہوں مجھے کیا کام گلشن سے
دیکھتا ہے کسے اے باغباں توں انتظام اپنا

رباعی

فریاد وفغاں کیا بہوت سا بسمل | سن کر بھی گزر گیا نہ اودھر قاتل
ایک دم کے لئے خموشی بہتر ناداں | دیجیو نہ کسی کو دل اگر ہے عاقل

اوس پریرو کا دل دیوانہ ہے | نہ فلک جس کا شیشہ خانہ ہے

ارشد

شاعرِ صاحب سند میر غلام علی ارشد۔ نخلِ قامتِ ہستیش از گلزمینِ اوجین سر کشیدہ سید رضوی در تاریخ گوئی نظیر ندارد، مورخِ بے بدل است، کتابے در مقدمۂ تاریخ رقم نمودہ و بسیار آسان تر کردہ۔ دریں ولا نزدِ ارسلان جنگ بہادر نوکر است۔ مردِ عزیز کسے است از مغتنماتِ دہر، یار باش، خوش گپ۔ حق تعالےٰ سلامت دارد از دوست۔

دِل کے تئیں پیارے دکھانا خوب نئیں   جن نے دِل توڑا سو کہیں محبوب نئیں
بے سبب بیگانگی کرتے ہو کیوں   آشنائی کا تو یہ اسلوب نئیں

بات شیریں ہے اوسکی مصری سے   اوسکے دو لب ہیں شاہد عادِل

تجھ رُخ میں مجھے نورِ الٰہی نظر آیا   جو اصل میں تھا سو ہی کماہی نظر آیا
تجھ زلفِ پریشاں پہ نظر جسکی پڑی ہے   دلجمعی اوسے نہیں و تباہی نظر آیا

فلک سخنوری را خورشید، قزل باش خاں اُمید۔ اصلش از ہمدان اصفہان است۔ ازانجا اکتسابِ علومِ درسی نمودہ مائلِ ہند گردید و بر رفاقتِ نصرت جنگ ذو الفقار خاں بہادر کہ در عہدِ خلد مکان سپہ سالارِ دکن بود بسر بردہ۔ بعد واقعہ اش با میر الامرا سید حسین علی خاں و بعدش ہمراہِ نواب آصفجاہ میگذرانید۔ و در ہمانجا بخطاب قزلباش

خانی و بخذماتِ عمدہ سرفراز شد۔ اواخر بدارُ الخلافت شاہجہان آباد بفاقہ میگذرانید، مرد با استغنا و بے تعلق مزاج بود و باکمال وسعت مشربی زیست می نمود۔ در سنہ تسع و خمسین و مأتہ الف ۱۱۵۹ھ، چراغِ ہستیش از صرصرِ اجل خاموش گردید۔ این چند شعلۂ مسلسل از شمعِ فکرِ اوست

یارب اِن گھر میں عجب صحبت ہے در و دیوار سے اب صحبت ہے

الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں

آصف

نواب نظام الملک بہادر آصفجاہ طاب ثراہ، جدِ مادری سعد اللہ خان وزیر اعظم شاہجہاں بادشاہ، و جدِ پدری عابد خاں۔ تعریفِ نسبِ عالی حسبش و توصیفِ حسب والا نسبش درین اوراق کہ خیلے باختصار پرداختہ گنجائش پذیر نیست و بر دانایانِ اطوارِ سابق و واقفانِ آثارِ سلف پوشیدہ نیست کہ در طبقۂ سلاطینِ تیموریہ بلکہ طبقاتِ پیشین، امیرے باین عزّ و اعتبار، صاحب تدبیرے و باں قدرت و وقار، چشم و گوشِ روزگار ندیدہ و نشنیدہ۔ قریب سی سال بریاستِ ممالک دکن پرداخت۔ و اقلیمے کہ جائے فرمانروائی چندیں سلاطین صاحبِ اقتدار بود خود بدولت و اقبال تنہا بتصرف داشت و فتوحاتے کہ یادگارِ لیل و نہار و کارنامۂ روزگار باشد بمنصۂ ظہور جلوہ گر فرمود۔ از درگاہِ عالم پناہ ہش خیراتِ فراواں بمساکین و مستحقین میرسید، بلکہ سہ لک روپیہ از دستخطِ خاص، سوائے انعامات بادشاہی در صوبجاتِ دکن بطور روزمرہ یومیہ بارباب

استحقاق میرفتند، ویک لک روپیہ بمردم حج وغیرہم انعام میفرمود۔ علماو مشائخ عرب وعجم وماوراء النہر وخراسان وعراق وہندوستان، شہرۂ قدردانی شنیدہ روبدکن می آوردند وبقدرِ نصیب بہرہ می یافتند، ودرخورِ قسمت کامیابِ مقاصد می گشتند۔ گاہ گاہے مزاجِ اشرف بمقتضائے تفننِ طبع بفرمودنِ شعر میل می فرمود این چند لعل بے بہا از سربندِ فکرِ عالی ذکرِ اوست۔

گالی نہ کہو کوئی مرے دل برکو حسد سے مجھ دل کے گلے میں یہ دعائے یمنی ہے
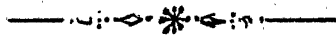
حرف الباء

بیدلؔ

مرزا عبدالقادر بیدلؔ، استادِ فنِ بسیارگوئی خوب گو بود، در دارالخلافت کوسِ ریختی مینواخت ودادِ سخنوری وخوش خیالی میداد، دیوانہا ومثنویہا متعدد دارد ونثرہائے رنگین ومسجع می نگارد، در تعریف کوہ بیتے خوب گفتہ
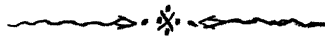
بلیغؔ

بلیغؔ احوالش معلوم نیست۔

تیری زلفوں کی کردرازی یاد کٹ گئی میری رات باتوں میں

آگے اُن آنکھوں کے کیا عزت ہے میخانے کے تئیں اُن کی گردش ہو جہاں کیا تاب پیمانے کے تئیں

عشق میں ثمرہ تو ہے سوزش کا لیکن بعدِ مرگ　　شمع لے ہے دوش پر تابوت پروانے کے تئیں

یاد میں خط کے تیرے شب کو میں روتے روتے　　دشت کو سبز کیا صبح کے ہوتے ہوتے

رہتی ہے اوس آتشیں رُو سے میرے سینہ میں آگ
لگ اٹھی صورت سے جس کی آبِ آئینہ میں آگ
یوں جھلکتا ہے بدن اوس کا قبائے شال سے
جس طرح لگتی ہے یا رو رختِ شالینہ میں آگ

جب ہاتھ میں قاتل کے وہ خنجر نظر آیا　　تعظیم کو لب پر مرا لختِ جگر آیا

گرچہ ظاہر میں ورے بیٹھے ہیں　　ہم دو عالم کے پرے بیٹھے ہیں
حشر میں بھی نہیں اُٹھنے کا دماغ　　کس کی نظروں کے گرے بیٹھے ہیں

یہ ڈر آتا ہے تیری یاد سے کہ جگر کہیں نہ دھڑک اُوٹھے
دلِ آتشیں میں نہاں جو ہے وہی شعلہ اب نہ بھڑک اُوٹھے

کیا باک ہے جو خوار کرے دربدر کرے　　لیکن جو بعد اوس کے بھی آخر نظر کرے
قاتل سے خونبہا کو ہمارے نہ کہیو کچھ　　اتنا مگر کہ خاک پہ میری گذر کرے

بے تمہارے بزمِ عشرت حلقۂ غم ہو گئی　　صبحِ نوروزِ جہاں شامِ محرّم ہو گئی

مر گئے لیکن رواں ہیں اشک کے دریا ہنوز
سبز ہوتے ہیں ہمارے اشک سے صحرا ہنوز

کیا بلا آتش تھی یارو تیشۂ فرہاد میں
ہے شرربار اوس اثر سیتی دلِ خارا ہنوز

اے صنوبر حد سے زیادہ سرکشی بھی خوب نئیں
باغ میں آیا نہیں ہے وو قدِ بالا ہنوز

نصیبوں کو بسمل کے کیا روئیے — جہاں تھم گیا ہات جلّاد کا
جگر کو لے آیا لبوں پر مرے — نظر کیجیو زورِ فریاد کا

کس کی سرمہ چشمگی سے دل صفاہاں ہو گیا — کس کے لب کی یاد میں سینہ بدخشاں ہو گیا
کس کے چہرہ پر نظر کر اوڑ گیا رنگِ چمن — کس کی آنکھیں دیکھ کر نرگس کو یرقاں ہو گیا
کس کی شمشیرِ خرام آکر چلی گلزار میں — کس کے آنے سے چمن گنجِ شہیداں ہو گیا
کس نے آ منہ سے اُٹھایا تھا نقابِ شرم کو — جلوۂ صبحِ وطن شامِ غریباں ہو گیا
کس کی نزدیکی سے جب تھا خجلتِ بازارِ مصر — کس کی دوری سے یہ دل اب دشتِ کنعاں ہو گیا

بیدآر

معنی یاب خوش گفتار، بیدآر۔ احوالش تفصیلاً معلوم نشدہ۔ ظاہراً از ہند است از وست۔

کل تری یاد میں آنسو ہی نہ کچھ گلگوں تھا — ہر مژہ پر مری لختِ جگرِ پُر خوں تھا

مصرعِ قد کا ترے مصرعِ ثانی نہوا
سرو ہر چند کہ برجستہ و خوش موزوں تھا

پاسِ ناموسِ حیا تھا کہ نہ رویا اے ابر
ورنہ آنکھو نمیں ہماری بھی بھرا جیوں تھا

رشک کھاتا ہے چمن دیکھ کے داماں میرا
کم نہیں ابر سے کچھ دیدۂ گریاں میرا

کھینچ کر زلف کی تصویر کو خط میں بھیجوں
تاکہ معلوم کرے حالِ پریشاں میرا

ایسے طالع مرے بیدار کہاں ہیں جو آج
اس شبِ تار میں آوے مہِ تاباں میرا

مے کدہ میں جو ترے حسن کا مذکور ہوا
سنگِ غیرت سے میرا شیشۂ دل چور ہوا

مہرباں بھی ارے بے مہر کبھی ہوویگا
یا اسی غم سے میری جان کو تو کھوویگا

مست ہم کو شراب میں رہنا
کچھ ہو اس سیرِ آب میں رہنا

کچھ تنبہ نہیں تجھے اب تک
نام بیدار خواب میں رہنا

تو نے جو مدتوں میں ادھر کو گذر کیا
نالہ نے آج کچھ تو ہمارے اثر کیا

غیرت نہ آئی تجکو ستمگر ہزار حیف
جس دل میں تو مقیم تھا واں غم نے گھر کیا

برنگِ نقشِ نگیں زخم ہے مرے دل کا
رہیگا حشر تلک نام میرے قاتل کا

اُگے ہے پنجۂ مرجاں مزار سے اوس کے
شہید ہو جو کوئی اوس کفِ حنائی کا

مرے قدم سے ہے سرسبز بوستانِ جنوں
ہر ایک آبلہ گل ہے برہنہ پائی کا

جو ایک شب ہو مرا میہماں مرا صاحب | تمہیں ہو اُس میں بھلا کیا زیاں مرا صاحب
کمر میں خنجر و تیغ و سپر حمائل سب ہے | یہ سج بنا کے چلے ہو کہاں مرا صاحب
نقاب رو سے اوٹھا بیحجاب ہو بیٹھو | کوئی تو غیر نہیں ہے یہاں مرا صاحب

وقت سحر نہ کھینچے اگر موںہہ سے تو نقاب | مانندِ ماہ ابر نمایاں ہو آفتاب

آتشِ عشق کے تئیں دیکھ میری جان کے بیچ | لالہ حسرت سے ہوا داغ گلستان کے بیچ

اے شاہِ گُل چمن میں جو دیکھا ترا جمال | پاؤں پر گر پڑی تیرے بے اختیار شاخ
ہوتی ہے فصلِ گُل میں جو مستِ بہار شاخ | کیا کھینچتی ہے دورِ خزاں میں خمار شاخ

نہ دیا اس کو یاد یا قاصد | میرے نامے کوں کیا کیا قاصد

جو وہ خورشید طلعت شام ہووے بام پر ظاہر | نہ ہووے صبحِ محشر تک خجالت سے قمر ظاہر
فروغِ شمع ہو چوں پردۂ فانوس سے روشن | میرے سینہ سے یوں ہے آتشِ داغِ جگر ظاہر

تجھ بن سرشکِ خون کا آنکھوں سے طغیاں اس قدر
برسا نہیں اب تک کہیں ابرِ بہاراں اس قدر
گلشن میں گر دیکھیں مجھے ہوں سنبل و نرگس خجل
دل ہے پریشاں اس قدر آنکھیں ہیں حیراں اس قدر
رکھتا ہے تو جس جا قدم ہوتا ہے لو ہو کا نشاں
پامال کرتا ہے کوئی خونِ شہیداں اس قدر

کہا میں اُس بتِ ابرو کماں کی خدمت میں	خدنگِ ہجر نے تیرے کیا ہے مجکو فگار

نہ رحم تیرے دلِ سخت میں ہے غیر از ظلم	نہ میرے نالۂ جانسوز میں اثر ہے یار
نہ تابِ ہجر میں رکھتا ہوں نے اُمیدِ وصال	خدا ہی جانے کہ کیا اس کا ہیگا آخرِ کار
ہر ایک دن یہ مجھے سوجتا ہے جی تن سے	نکل ہی جائیگا ہمراہِ آہِ آتش بار
نہ تو مزار پہ آوے گا تا دمِ محشر	رہے گا دیدۂ گریاں کو حسرتِ دیدار
یہ سنکے کہنے لگا وو ستمگرِ بے رحم	میری بلا سے جو مر جائیگا تو اے بیدار
عبث تو مجکو ڈراتا ہے اپنے مرنے سے	ہزار تجھ سے مرے مر گئے ہیں عاشقِ زار

یک شمۂ تجھ شمیمِ بدن سے ہے بوئے عطر	پہنچا ہے پیرہن کو ترے آرزوئے عطر
اے رشکِ گل عبث ہے تجھے جستجوئے عطر	تیری شمیمِ زلف پہ قربان ہے بوئے عطر

خاک و خوں میں ہے طپاں عاشقِ غمناک ہنوز	تشنہ ہے تیغِ جفائے بتِ بیباک ہنوز
سینکڑوں کش مکشِ زلف سے شانے ٹوٹے	نوبت آئی نہ تری اے دلِ صد چاک ہنوز

ہے بعدِ مرگ گور میں شورِ جنوں ہنوز	ہیں کش مکش میں دست و گریباں کی ہوں ہنوز
دعوی کبھی کیا تھا تری چشمِ مست سے	نرگس چمن میں شرم سے ہے سرنگوں ہنوز

او سکو حناکی دل میں نہ باقی رہی ہوس	اے خونِ کفِ نگار ہے ایسا ہی جم کہ بس

جولاں نہ دے تو رخش کو اے نازنیں سوار	لاکھوں ہی جانیں ہیں تیرے زیرِ سُمِ فرس

عبث کرتا ہے اوس سے اے دل اب عرض　　گدا کی بادشاہ سنتا ہے کب عرض

میں جا کر بزم میں اوس شمع رو سے　　کیا سوزِ دل اپنا ایک شب عرض
لگا کہنے کہ اے بیدار سن تو　　یہی کہتا ہے تو کرتا ہے جب عرض
جلا دونگا میں پروانے کی مانند　　جو کی بارِ دگر اے بے ادب عرض

چھوٹے اب اس شعلہ رو کا مجھ سے کیونکر اختلاط
چھوڑ کب سکتا ہے آتش سے سمندر اختلاط
آتشِ حسرت پہ ہو جاتے ہیں لختِ دل کباب
اوس لبِ مے گوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط

جاتا ہے میرے گھر سے دلدار خدا حافظ　　ہے زندگی اب مشکل اے یار خدا حافظ
یوں مہر سے فرمایا اوس ماہ نے وقتِ صبح　　ہم جاتے ہیں اب تیرا بیدار خدا حافظ

روشن مثالِ شمع ہزاروں ہیں غم کے داغ　　تربت پہ دل جلوں کی نہیں حاجتِ چراغ
سنتا ہوں ورنہ بوسے کی طاقت کہاں مجھے　　کاہے کو اتنی بات سے ہوتے ہو بد دماغ

نہ آیا تجکو اے بادِ خزاں حیف　　کیا تاراج گل کا خانماں حیف

گمانِ بیوفائی مجکو اے پیارے نہ تھا مطلق　　گر ایسا جانتا تجھ سے نہ ہوتا آشنا مطلق

کیا ہوا گر کینہ جوئی پر ہے آہنگِ فلک　　بس ہے تیرِ آہ اے دل اپنے جنگِ فلک

چرخ کی گردش سے یوں پھرتا ہے اِس دنیا کا رنگ
جس طرح یکساں نہیں رہتا حِنائی پا کا رنگ
سر پہ دستارِ بسنتی بر میں جامہ قرمزی
کھُب گیا دل میں ہمارے اوس گُلِ رعنا کا رنگ
آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب رنگِ ہوا
سُرخ مے کالی گھٹا اور سبز ہے مینا کا رنگ

طلبِ مرگ کا باعث ہے مجھے زاریِ دِل　　آہ کیا شرح کروں حالتِ بیماریِ دِل
کیسے کیسے الم اس دل پہ گذر گئے تجھ بِن　　تو نے یکدن بھی نہ کی آن کے غمخواریِ دِل

نے فقط تجھ حُسن کی ہے ہند کے خوباں میں دھوم
ہے تری زُلفِ چلیپا کی فرنگستاں میں دھوم
کیا کریں وابستۂ کوئے بتاں ہیں ورنہ ہم
کرتے جیوں فرہاد و مجنوں دشت و کوہستاں میں دھوم

خاک عاشق کی ہی ہووے ہے نثارِ دامن　　اے مری جان تو مت جھاڑ غبارِ دامن
دوستو مجکو نہ دو سیرِ چمن کی تکلیف　　اشک ہی بس ہے مرا باغ و بہارِ دامن
سُرخ جامہ پہ نہیں تیرے کناری کی چمک　　برق اس ابر میں ہوتی ہے نثارِ دامن
خلشِ خارِ رہِ عشق سے اب اے ناصح　　نہ رہا ایک بھی ثابت مرا تارِ دامن

شبِ ہجراں میں نہ پوچھو کہ میں کیا کرتا ہوں　　صبح تک شمع کی مانند جلا کرتا ہوں

تلخ دشنام تری میں شکرستاں جانوں   یہ بھی قسمت میں اگر ہوئے تو جاناں جانوں

یا رب جو خارِ غم ہیں جلا دے انھوں کے تئیں   جو غنچۂ طرب ہیں کھلا دے انھوں کے تئیں
انکارِ حشر جنکو ہے لے سروِ خوش خرام   یکروز اپنے قد کو دکھا دے انھوں کے تئیں
کہتے ہیں ابرو اور مژہ خوں ریز ہیں ترے   ظالم کبھی ہمیں بھی دکھا دے انھوں کے تئیں

تجھ بن ہے بیقرار دل اے ماہ کیا کروں   کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب آہ کیا کروں
نے دل نہ دلربا نہ مرے جی کے تئیں قرار   حیراں ہوں اس میں اے میرے اللہ کیا کروں

مجھ درد کی خبر تجھے اے بیوفا نہیں   جانے تری بلا کہ تو عاشق ہوا نہیں

آوے اگر ایجان تو مستِ شراب آغوش میں
ہووے حسرت سے دلِ حاسد کباب آغوش میں
جیسے رکھتا ہی صدف درِ خوش آب آغوش میں
روز و شب رکھتا ہوں طفلِ اشک ناب آغوش میں
یک طرف کو پارۂ دل یک طرف لختِ جگر
آتشِ ہجراں سے ہوتے ہیں کباب آغوش میں
ہے یقیں آوے گا بر میں آج وو خورشید رو
خواب میں آتا ہے میرے ماہتاب آغوش میں
نقدِ جاں تو کھو چکا دل کوچۂ جاناں میں تو
کیوں نہ رہتا ہے اب اے خانہ خراب آغوش میں

یہ ہوا یہ سبزہ یہ ابرِ بہاراں پھر کہاں　　یہ بتاں یہ نشہ یہ مو مو پرستاں پھر کہاں
عشق نے تیرے کیا ہے دل کو میرے داغ داغ　　سیر کر لے شمع رو ایسا چراغاں پھر کہاں

عبث کرے ہے تو وعدے خلاف ملنے کے　　تری قسم ہے مجھے جان اعتبار نہیں

ترا جمالِ دل افروز جس نے دیکھا ہو　　شبِ سیہ میں نہ محتاج روشنی کا ہو
سرشکِ دیدۂ گریاں فراقِ جاناں میں　　بعید کیا ہے اگر رفتہ رفتہ دریا ہو
دیکھا مت آئینہ اوس سادہ رو کو مشاطہ　　مبادا دیکھ کے اپنا ہی آپ شیدا ہو
نہ دلبری نہ دلاسا نہ مہربانی ہے　　کوئی فریفتہ کس آرزو پہ تیرا ہو
نہووے طاقتِ دیدار مثلِ پروانہ　　فروغِ شمعِ رُخِ یار گر ہویدا ہو
کہا میں رات کو اوس شوخِ محفل آرا سے　　نقاب رو سے اوٹھا دے بھلا جو تو کیا ہو

تم جو کہتے ہو کہ عاشق کا فغاں سنتے ہو　　یہ تو کہنے ہی کی باتیں ہیں کہاں سنتے ہو
جب سے دیکھا ہے رُخ صاف تمہارا پیارے　　تب سیں حیراں ہے یہ دلِ آئینہ ساں سنتے ہو

مکتبِ حسن میں صد ناز و ادا سیکھا تو　　عوضِ مہر و وفا جور و جفا سیکھا

دادرس ہے شہِ گل شکوۂ صیاد کرو　　اے اسیرانِ قفس نالہ و فریاد کرو
سرمۂ دیدۂ عشاق ہے یہ اے خوباں　　اپنے کوچہ سے مری خاک نہ برباد کرو
میں وہ دیوانۂ زنجیرِ گسل ہوں کہ مجھے　　تم کو اے اہلِ جنوں چاہیے اوستاد کرو

دل کو میں آج ناصحا اوس کو دیا جو ہو سو ہو　　راہ میں عشق کی قدم اب تو رکھا جو ہو سو ہو
یا ترے پاؤں کو لگے یا ملے خاک میں تمام　　دل کو میں خوں تو کر چکا مثلِ حنا جو ہو سو ہو
یا وہ اُٹھا دے مہر سے یا وہ کرے تیغ سے جدا　　یا آکے آج پاؤں پر سر تو رکھا جو ہو سو ہو

گذر ہماری طرف کر تو اے نگار کبھی　　کہ کامیاب ہوں ہم سے امیدوار کبھی

چمن میں گر اوس گلبدن کا گذر ہو　　عرق میں خجالت سے گُل تر بتر ہو

اُلفتِ خار وخس ہے دامن گیر　　چھوڑ سکتا نہیں بیاباں کو
جانتا ہوں ازل سے میں بیدار　　قبلۂ عشق شاہِ مرداں کو

تیری محفل میں اگر ہو گذر پروانہ　　نہ پڑے شمع پہ ہرگز نظرِ پروانہ
اُوڑ گئے جل کے سبھی بال و پرِ پروانہ　　کچھ بھی ہے شمع آخر تجکو خبرِ پروانہ
ہے زمانے سے جدا روز و شبِ سوختگاں　　شام کہتے ہیں جسے ہے سحرِ پروانہ

دیکھ تجھ کا کلِ مشکیں کی ادائیں شانہ　　دونوں ہاتوں سیتی لیتا ہے بلائیں شانہ
ایک دن گر نہ ملے تجھ سے تو ہو آشفتہ　　دیکھ لے گیسوئے مشکیں کی وفائیں شانہ

ہم ہی تنہا نہ ترے عشق کے بیمار ہوئے　　اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار ہوئے

ترے کیا ہات آیا اس ستم سے باغباں سچ کہہ　　اوجاڑا کیوں چمن میں بلبلوں کا آشیاں سچ کہہ

لب رنگیں ہیں ترے رشکِ عقیقِ یمنی　　زیب دیتی ہی تجھے نام خدا کم سخنی
ہار گل پہنے تھے پھولوں کے نشاں ہیں اب تک　　ختم ہے گلبدنوں میں تری نازک بدنی
میوہ باغِ ارم اوس کو نہ بھاوے ہرگز　　نو بریوسہ کیا جس نے وو سیبِ ذقنی
جھوٹے وعدے ترے ایجان کروں کیا باور　　دِل شکستہ نہ کرے گر تری پیماں شکنی

دوستو جانے دو اب بات اٹھاوو ہم سے　　زخم یہ وو ہے کہ بہ ہو نہ سکے مرہم سے
مہرباں خیر تو ہے کس پہ ہو غصہ کہئے　　آج آتے ہو مجھے کچھ تو نظر برہم سے
جس قدر چاہے تو دے مے کہ یہ مست ہوں میں　　امتیاز اُٹھ گیا ساقی مجھے بیش و کم سے

تھم گیا اشک شبِ ہجر میں روتے روتے
سحرِ وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
دیکھتا کیا ہوں کہ آیا ہے میری بالیں پر
رات کو یار مرے خواب میں سوتے سوتے

کیونکر عاشق سے بھلا کوچۂ جاناں چھوٹے
بُلبلِ زار سے ممکن ہے کہ بستاں چھوٹے
غرق ہو جائیں پلک مارتے لاکھوں طوفاں
اشک ریزی پہ اگر دیدۂ گریاں چھوٹے

عاشقوں میں جو کوئی کشتۂ کاکل ہووے
اوس کی تربت پہ سدا سبزۂ سنبل ہووے

سنگ غیرت سے مرا شیشۂ دل ہو ٹکڑے
آشنا لب سے ترے جب قدحِ قل ہووے
قدر ہمدرد کی ہمدرد ہی جانے بیدار
سُن کے افسردہ میرے حال پہ بلبل ہووے

زُلف اُوس رُخ پہ صبا سے جو پریشاں ہوجائے
سحر و شام بہم دست و گریباں ہوجائے
گیسوے مشک فشان و رُخ رنگیں سے ترے
سُنبل آشفتہ و گُل چاک گریباں ہوجائے

سامنے ہوتے ہی اوس رو کی درخشانی سے نقش دیوار ہوا آئینہ حیرانی سے
شاید اس صفحۂ رخسار پہ نکلا ہے خط نامہ بھیجا ہے مجھے اب خطِ ریحانی سے

سلام بھی ہے زمانے میں اور دعا بھی ہے
ہمارے یار نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے

رکھے ہے بسکہ یہ گردش میں روزگار مجھے برنگِ برق نہیں ایک جا قرار مجھے
سیا تو ہے پہ کوئی دم میں اس گریباں کا جُدا جُدا نظر آتا ہے تار تار سب مجھے

اشک گُل گوں گر ابھی آنکھوں سے جاری کیجیے
شرم سے پانی تجھے ابرِ بہاری کیجیے

خواب میں بھی اوس کو ہم تک پہنچنا دو بھر ہوئے

واہ واہ اے شرم یہاں تک پردہ داری کیجئے

آخر اے بیدار دیکھا کیا ترے جی کو بنی

ایسے ظالم سے میں کہتا تھا نہ یاری کیجئے

نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے　　اتنی رخصت دیجئے بندہ نوازی کیجئے

کیا کہوں گذری ہے جو کچھ ہجر میں خواری مجھے

یاد آتی کچھ نہیں جز نالہ وزاری مجھے

اب تو دل نے لا پھنسایا ہے قفس میں عشق کے

دیکھئے کیا کیا دکھاوے گی گرفتاری مجھے

نشۂ حبِّ علی سے اس قدر سرشار ہوں

روزِ محشر تک نہیں آنے کی ہشیاری مجھے

اس سبب مشہور عالم میں ہوا بیدار نام

بس کہ تیری یاد میں رہتی ہے بیداری مجھے

نہ وفا ہے نہ مہر و الفت ہے　　اے ستم گر یہ کیا قیامت ہے

اُٹھ کے لوگوں سے کنارے آیئے　　کچھ ہمیں کہنا ہے پیارے آیئے

میر مجلسِ رنداں آج وو شرابی ہے　　خونِ دلِ مرا جس سے بادۂ گلابی ہے

دل کو سخت بے تابی چشم کو ہے بے خوابی
ہجر میں ترے ظالم یہ یہ کچھ خرابی ہے

ہم ہیں اور تم ہو یہاں غیر تو نہیں کوئی
آ گلے سے لگ پیارے وقت بے حجابی ہے

رات ہے ابھی باقی صبح تک تو ہونے دے
تجکو گھر کے جانے کی ایسی کیا شتابی ہے

تجھ بن تو ایک دم نہیں آرام جاں مجھے
اس درد و غم میں چھوڑ چلا تو کہاں مجھے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے
شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہو گئے

اے جان دیکھتے ہی مجھے دور سے تم آج
یہ کون سی ادا تھی کہ رو پوش ہو گئے

بیدار بس کہ روئے ہم اوس گل کی یاد میں
سر تا قدم سرشک سے گلپوش ہو گئے

عاشق کا اگر دیدۂ خوں بار نہ ہووے
تو رشک چمن کوچۂ دلدار نہ ہووے

بخشی ہو جسے تجھ قدح چشم نے مستی
وہ روز قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے

حرف (پ)

پروانہ

درہنگامہ آرائی ممتاز و یگانہ، ضیاء الدین شاہ پروانہ۔ پروانۂ شمعِ محفلِ استعدادِ فطرتش از شعلۂ توجہ سید سراج الدین سراج فروغِ خوش لہجگی ورزید، و فتیلۂ فکرش از مشعل افروزیِ آں زینت بخشِ انجمنِ فطرت چرب زبانی گزید، روشنی ماندو بودشس از معمورۂ برہان پور است، و در فطانت مزاجی و صاحب شعوری مشہور۔

نہ کام شمع سے تھا اور نہ انجمن کے ساتھ

غرض پتنگ کو جلنا ہی تھا لگن کے ساتھ

فلک احوال سیں میرے جو واقف کار ہو جاتا

تو گر پڑتا زمیں پر چرخ کھا مسمار ہو جاتا

نہیں چھپتا ہے پنچھی دردِ دل ہرگز چھپانے سیں

نہ کرتا تو بیاں تو خود بخود اظہار ہو جاتا

نہ تھا شیریں کو فرمایش سیتی قصد آزمائش کا

. . . .

مدت ہوئی کہ مجھ سیں میرا دل جدا ہوا　معلوم نہیں کہ کس سے ملا جاکے کیا ہوا

روے زمیں پہ کچھ کہیں اوسکا سراغ نہیں　تحت الثریٰ کو جاتا رہا کیا بلا ہوا

قاصد وہاں کسو سیں خبر اوس کی پوچھیو　شاید کہ ہو گلی میں دوانا پڑا ہوا

حالت تو بےخودی کی تھی اوس کو خبر نہیں　بندا کسو کا جاکے ہوا یا خدا ہوا

کیا کم ہے مرضِ موت سیتی درد ہجر کا　کہتے ہیں زندہ ہوں میں ولیکن موا ہوا

ہے وصیت شیشۂ مے میری تربت پر رکھو

سبزۂ مینا سیں ہو شاید کہ تخفیفِ عذاب

غم میں کیا خوب گذرتی ہے میری بھی اوقات

کبھو ہنستا ہوں کبھوں روتا ہوں ہیہات ہیہات

جوشِ غم سیں نرہی اشک و باراں کی تمیز

نہیں معلوم کہ میں روتا ہوں یا ہے برسات

جس کسو کو عشق کی تپ دق ہو آزاروں کے بیچ

وصل کا شربت شفا ہے تجربہ کاروں کے بیچ

اس قدر ناداں نہیں ہوں میں کہ دل باتوں میں دوں

عمر گذری اے سجن تمہیں سے عیاروں کے بیچ

ہر نگہ ظالم کی کافر دشمنِ آرام ہے

شور ہے چشم سیہ اوس کی کا بیماروں کے بیچ

گرچہ جاں بازِ محبت ہوں گے عالم میں بہت
پر کوئی ہم سا بھی کم ہوگا دل افگاروں کے بیچ

جب تلک ساقی نہیں پیتا ہوں میں جامِ صبوح
تب تلک واللہ قالب سیں جدا رہتی ہے روح
آپ نے طوفان عالم میں سنا ہوگا کبھو
ہم نے ان آنکھوں سے دیکھے ہیں کئی طوفانِ نوح

رات کو گھر میں چکوروں کے پھرے ہیں مجھ بغیر
ماہرو جی کا ترے حافظ خدا ہو شب بخیر
جب کہیں جاتے ہیں ہم تب یاد کرتے ہیں تاباں
حضرت پنچھی ہمارا خوب تھا یادش بخیر

ہر گھڑی ٹپکے ہے شبنم برگِ برگِ گل سیتی کر رونا ہمکو اب آنسو بہاتی ہے بہار
ہر طرف زنجیر کی جھنکار سوں شعلہ اوٹھے شاید اب کے سال دیپک راگ گاتی ہے بہار

ہم تم اگر مقابل بیٹھیں تو کچھ عجب نہیں
لگتی ہے ایک جا پر شاہ و گدا کی تصویر
نقش اوس صنم کے رو کا نقشِ نظر ہے پنچھی
کھینچی ہے اپنے دل پر ہم نے خدا کی تصویر

ابرو ترے میں دل ہے اب چیں نہ کر جبیں پر
مت گر پڑے یہ شیشا اس طاق سیں زمیں پر
دیوانے دل کو اپنے ہائے اس طرح سیں پنچھی
کیوں مبتلا کیا ہے اوس شوخِ نازنیں پر

آپ سیں ہم نے رکھا ہے اب تلک بر پا قفس
ورنہ کھینچے ایک دم گر آہ تو جل جا قفس

مونہہ کو اپنے مت لیجا زاہد اوس آتش رُو کے پاس
شرم رکھ ڈاڑھی کی کیوں رکھتا ہے انگاروں پہ گھاس

اب زمانے میں کوئی پنچھی کہیں آزاد نہیں
دل کے تئیں سینا قفس روحی کے تئیں ہے بن قفس

یک نگہ میں کھو دیا شبنم کا سارا خانماں
دیکھ لی خورشید کی ہم ہمتِ دوں کا تلاش
دشت میں مجنوں موا اور بے ستوں میں کوہکن
عاشقوں کے حق میں خونریزی ہے گردوں کا تلاش

حسرت آتی ہے اوسے ہر زلفِ خوباں دیکھکر
کیا گذرتی خوش ہے جمعیت سیں شانے کی معاش
کر ہے پنچھی اس قدر سعی عمل جو بعدِ مرگ
یہ نہو کہنے کو کیا بد تھی فلانے کی معاش

اشکِ خوں بن کون کرتا ہے دلِ افگاروں کی عرض
کون بن نالے کے پہنچاوے گرفتاروں کی عرض

کچھ عجب نہیں ہے جو شیشا دل کا جا ظالم سیں پھوٹ
چشم بدمست اوس کی کب سنتی ہے ہوشیاروں کی عرض

ساقی چلی شباب چمن سیں بہار حیف　　دل کی میرے ہوس نہ بر آئی ہزار حیف

کوہکن سنے جو کیا کام نہ کرتا پرویز　　جانِ شیریں سیں گذرنا ہے نہایت مشکل

قفس کا عیش ہمیں اب تلک نہ تھا معلوم　　اسیر ہو کے کیا دل نے یہ مزا معلوم
یقین یکچھی ایسے سخن فہم کا فدا ہوں گا　　جو کوئی اشارے میں کرتا ہے مدعا معلوم

میکدہ اب نہیں رہا آگے جو تھا بیت الحرام　　حضرتِ انگور کے جب سیں ہوئے داماد ہم

بلا ہے حق میں میرے زلف کا دام　　کہ منزل کو نہ پہونچے ہو گئی شام

کر چکے ہم نالہ و فریاد بلبل کی قسم　　ابتو حسرت میں گریباں چاک ہیں گل کی قسم

جس نے خوباں سیں مل کر کھو دیا آرام کو میرے
میں ایسے دشمن جانی کے تئیں کب دل سمجھتا ہوں
ہمارا دل ہے یکچھی معرفت کی شمع سیں روشن
وگرنا اس تنِ خاکی کو آب و گل سمجھتا ہوں

یکچھی ہُو و بے نیاز قلندر ہوں پاک باز   دنیا و دین کا مجھے یک ذرّہ غم نہیں
تجتا میں جانتا ہوں سکندر کا آئینہ   کوزا گلی سمجھتا ہوں میں جام جم نہیں

دیکھنا اور توجہ کی نظر ہے کچھ اور   آنکھ کے لگنے کے تئیں دام بلا کہتے ہیں

منصب جنوں کا رکھتے ہیں زلفاں کے دام میں   جاگیر تھی ہمارے نصیبوں کی شام میں

یار اگر حکم کرے تابع فرمان ہو جاؤں   ٹک اگر میری طرف دیکھے تو قرباں ہو جاؤں

بہم ایک آن میں مہر و جفا کسو سیں نہو   کیا جو تم نے سجن ہم سے کیا کسو سیں نہو
ادا تو اور بھی کرتے ہیں خوبرو پیارے   جو تم سیں ہوتی ہے پھر یہ ادا کسو سیں نہو

نہ کام شمع سیں تھا اور نہ انجمن کے ساتھ   غرض پتنگ کو جلنا ہی تھا لگن کے ساتھ

کہاں آتا ہے رحم اوس کو ستم کا جو مزا جانے   مرے کوئی یا جیے صیاد ظالم کی بلا جانے

کون کہتا ہے کنچنی کو رانڈ   وو تو یکچھی سدا سہاگن ہے

یار کی جور و جفا کاری کے تئیں کیا کیجئے   گو کہ طاقت نہیں ہے ناچاری کے تئیں کیا کیجئے
نے رقیبوں نے ستایا نے سیہ چشموں نے کچھ   بے سبب اس دل کی بیماری کے تئیں کیا کیجئے
کب ہمیں یکچھی تھی ان خوباں سیں ملنے کی خوشی   خود بخود دل کی گرفتاری کے تئیں کیا کیجئے

جو دیکھتا ہے سو جاتا ہے تجھ پہ شیدا ہو　　جو ساری دُنیا دِوانی ہو تو تماشا ہو

کہاں ہم اور کہاں تم اور کہاں یہہ شیشہ و پیالہ

جو پینا ہو تو پی لے اے سجن یہ دور چلتا ہے

گئی جب عُمر آدھی پھر مزا جینے کا نہیں کچھ　　کہ دن ہر دم گھٹی ہے دوپہر سیں جب کہ ڈھلتا ہے

محبت ہم سیں اس حقّے نے پنچھی اس قدر بانٹی　　کہ دم سازی سیتی دی کی دھواں دلکا نکلتا ہے

دو پری پیرو نہیں چھپنے کا مری آنکھوں سے　　یہ سلیمانی ہر ایک خانے میں جا پھرتی ہے

دیکھ پنچھی نہیں رہنے کے سدا ایسے دِن　　اب کوئی روز میں کوئی اور ہوا پھرتی ہے

اب زمانے میں کوئی یار کہاں ہوتا ہے　　گر ہُوا بھی تو وفادار کہاں ہوتا ہے

جگ میں عُشّاق تو لاکھوں ہیں ولیکن نہا　　کوئی ہمسا بھی دِل افگار کہاں ہوتا ہے

ہائے پنچھی بے قراری دل کی ہائے　　ہائے رے بے اختیاری دل کی ہائے

مرا دل کیوں نہ ہو خوں لال تیرے پان کھانے سیں

کہ عالم ہو گیا پامال اس برگی کے آنے سیں

مرا پنا بیستوں میں عشق کے فرہاد نے چیرا

دیا پیچ اوس کو یہہ شیریں نے خسرو کے بتانے میں

خوبرو ظلم سیں بہیں ڈرتے　　　کیا خدائی اُنہوں کے گھر میں ہے

جا قفس میں تو جست کی نہ رہی　　　کچھ حلاوت نشست کی نہ رہی
مت کر آزاد ہم کو اے صیّاد　　　طاقت اب دو و دست کی نہ رہی

ہمیں بھی کعبہ جانا آرزو ہے　　　پہ چڑھنے میں گدھے کے گفتگو ہے

نہ پوچھا شمع نے جلنے کا پروانے سبب کیا ہے
تیرا رہ رہ کے جی دینے کا دیوانے سبب کیا ہے

کان پھڑکیں ہیں مگر پیغام لاتا ہو کوئی　　　دل تڑپتا ہے مرا شاید کہ آتا ہو کوئی

چھوڑا اس زندگی کی قید سیتیں　　　ارے قاتل ہماری بھی خبر لے
تو بہی جی اس جُدائی کے دُکھوں سے　　　مریگا آخر آج ہی کیوں نہ مر لے

بہار آئی ہے پنچھی تو دِوانا مجکو سودا ہے
چل اب ہم ہیں و تو ہے اور کھلا دامانِ صحرا ہے

جس طرح تیں نے پتنگوں کے جلایا پر کے تیئں
اوس طرح سیں آگ لگیو شمع تیرے گھر کے تیئں
عشق کے جوشوں کے آگے نرم ہوجاہے پہاڑ
کوہکن نے کاٹ ڈالا لوہے سے پتھر کے تیئں

قدر نعمت کی مقرر ہے کہ بعد زوال　　بعد جانے کے مرے قدر کو جانا دل سے

جو نہیں آتی ہے خاطر میں تری میرے کہے
جس میں تو راضی ہوا اے یار سو ہی بات سہی

ساعتِ وصل تھی اور جان نے رخصت مانگی
ہم نے ہر چند کہا اوس کو کہ رہ جا نہ رہی

تھا لکھا خطِ جبیں روزِ ازل سے یوںکر　　میں اور آوارگیِ دشت توں اور کج کلہی

اور ہی کچھ آن اب پکڑی ہے آگے جو نہ تھی　　بے وفا عیار تو تھا پر ستم کی خو نہ تھی
عشق سیں مجنوں کے جگ میں ہو گئی ہے نام زد　　ورنہ لیلیٰ خوبرویاں میں تو کچھ خوش رو نہ تھی

چاندنی سیں آبلے پڑتے ہیں تجھی پاؤں میں　　آج کی شب ماہرو بن سیرِ مہتاب آتش ہے

نہیں آتی ہے کچھ کہنے میں بات اے یار کیا کہیے
زباں حیرت سیں گویا مونہہ میں ہے بیکار کیا کہیے
جو پتھر پوجتے اب تک تو وہ بھی نرم ہو جاتا
تری سنگیں دلی کو اے بتِ عیار کیا کہیے

دل میرا گوشۂ گل رو میں ہے اس طرح مقیم　　جیونکہ گلشن میں نسیم سحری رہتی ہے

کس کے یہاں دیدۂ غمناک گڑے ہیں تہِ خاک
کہ زمیں جس کی تراوت سیں ہری رہتی ہے

نہ اُسے دین کی خواہش ہے نہ دنیا کا تلاش
شاہ پنچھی کو عجب بے خبری رہتی ہے

اگر منزل کے جانے سیں رہے ہم تو عجب نہیں ہے
کہ عالم میں پڑی شام اون نے جب بالوں کی لٹ کھولی

مقدور سیں زیادہ چلا نہیں کسو کا زور
سر پر گرا پہاڑ تو فرہاد کیا کرے

ابرو کماں چڑھا کے کہتا ہے بات اکڑ کے
جی تو لیا ہمارا اب کیا کرے گا لڑ کے
کیا تاب آئینہ کو سمکھ جو ہو تمہارے
خورشید دیکھ کانپے چھاتی سحر کی تڑکے

رکھتے نہیں خبر کچھ اس جان و تن کی اپنے
جس دن سے مبتلا ہیں پیارے سجن کے اپنے
لیتے ہیں کیا مزے ہم و عدوں سیں جھوٹے اُس کے
کیونکر نہوں دِوانے پیماں شکن کے اپنے

خارجی ہت غیر پنچھی دِل کے بیچ
جب سیں حُبِّ مرتضیٰ بھرنے لگی

مجھ دل کے اگر در پئے آزار نہ ہوتے
تو مردمِ چشم آپ کے بیمار نہ ہوتے
اس عشق میں کیا زندگی آرام کی کٹتی
معشوق اگر آپ کے ستم گار نہ ہوتے

اس جدائی میں نہ جانو کہ سلامت گذری
جو گھڑی گذری سو گویا کہ قیامت گذری
کاش مرجاتے تو بہتر تھا اسی اندوہ سیں
بعد رخصت کے ہمیں سخت ندامت گذری

حرف (ج)

جرآت

شیرِ بیشۂ فصاحت، موسوی خان جرآت۔ نامِ اصلیٔ او میر محمد ہاشم است و سلسلۂ نسبش بہ ہست واسطہ بسابع ایمۂ ہدیٰ علیہم التحیۃ والثنا میرسد۔ پدرش میر محمد شفیع وجدش میر سید علی کہ از گیلان بہندشتافتہ در اورنگ آباد کن رنگِ اقامت ریختہ بود۔ ولادتِ خان جرات در سنہ ثمان وثمانین والف در شہرِ مذکور واقع گردید و نخلِ قابلیتش در ظلِّ تربیتِ والدِ خود برومند شدہ، ثمرِ مُراد از علوم برگرفت۔ اوائل در ریاستِ ساداتِ بارہہ قلعہ دارِ دھارور من مضافاتِ خجستہ بنیاد دکن بود۔ در عہدِ نواب آصفجاہ طاب ثراہ، بمنصبِ دوہزاری و پانصدی وخدمتِ منشی گری سرکار عزِّ امتیاز یافت و در زمانِ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید بمنصبِ چہار ہزاری وخطابِ معزالدولہ علمِ افتخار برافراخت۔ بتاریخ ششم شعبان سنہ خمس وسبعین ومایۃ الف در اورنگ آباد عندلیبِ حیاتش بغزلخوانیٔ رحمات مایل گردید۔ میر غلام علی ارشد کہ ذکرش بالا گذشت تاریخ وفاتش چنیں یافتہ۔ "بسیرِ جاودانی کرد جرآت۔"

(حرفِ ح)

حشمت

شمعِ بزمِ سیادت محتشم علی خاں حشمتؔ۔ پدرش میر باقی خالوزادۂ عالمگیر بادشاہ، اجدادش از بدخشاں بہ ہندوستان آمدہ توطّن ورزیدند، ولادتِ حشمت درہمیں گل زمینِ اتفاق افتاد، ودرسنہ ثلاث و ستین ومائۃ والف مراحلِ مرگ پیمود والہ داغستانی درریاض الشعرا می نگارد کہ روزے دیوانش مطالعہ میکردم تا بایں بیت رسیدم۔

نہ ہر ایرانئ ہم طرحِ حشمت می تواند شد

نہ ہر چینی فروشے ہمسرِ فغفور می گردد

وسببِ مطعون شدنِ ایں فریق ایں کہ چندکس ازمردمِ ایران بعنوان سوداگری درشاہجہان آباد دوکانِ چینی فروشی برچیدند و در ہندوستان دوکانداری برائے ایں جماعت ننگ است لہٰذا موردِ طعن شدہ اند، ونیز قاطبۂ خلق ایرانی را بوقت طعن بچینی فروش یاد می کنند چنانچہ سالِکؔ نیز گفتہ۔

ما زبانِ اہلِ ایراں را بھوے بستہ ایم دستِ ایں چینی فروشاں را بموے بستہ ایم

عرقِ حمیت بجوش آمد ایں دو بیت برحاشیۂ دیوانش نوشتہ فرستادم۔

باستادانِ ایراں ہندیٔ ہم طرح گردد بہ چینی می زند پہلو سفالیں کاسۂ بنگی

حریفِ نالہ ہائے زارِ ما ہرگز نہ حشمت مزن انگشت برلب چینی فغفوریِ مارا

از دست

نکہتِ گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دوانوں کی خبر لو اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

(حرف خ)

خیالؔ

محمد طاہر خیالؔ در فرس خیالؔ و در ہندی رخشاںؔ تخلص می کند۔ متوطن اورنگ آباد است تحصیل کتب عربیہ تا شرح ملا جامی بخدمت میر انور الدین ولؔ نمودہ و کتب متداولۂ فارسیہ بخدمت محمد سیف اللہ انور خواندہ۔ دریں ایام بہ تعلیم اطفال در حیدر آباد می پردازد۔ از وست۔

ہم ان دنوں میں تو اور ہی معاش رکھتے ہیں
نہ فکرِ دنیا نہ دیں کا تلاش رکھتے ہیں

یہ میرزا منشی ہے دماغ میں اپنے
کہ بوئے گل سے ہمیشہ خراش رکھتے ہیں

گئے ملول و گئے شاد ہر طرح رخشاں
ہم اپنی زندگی اب اس قماش رکھتے ہیں

دیوانہ کوئی دل میں تیرے راہ کیا کرے
سنتا نہیں تو کس کی کوئی آہ کیا کرے

آتے ہوں ساتھ آہ کے کٹ جس کے لختِ دل
پھر پھر وہ آہ لے میرے اللہ کیا کرے

ہم غرض تیرے ہیں پر سنیو تو اے یار ہنوز
بے وفائی کے گئے تجھ سے نہ اطوار ہنوز

خط کے آنے پہ بھی ہے تجکو وہی خود بینی
تجکو آئینہ سے رہتا ہے سروکار ہنوز

کن نے بتلائیاں گلشن میں گلابی آنکھیں
جس سے ڈوبے ہیں لہو میں گل و گلزار ہنوز

دیکھ کا گل کو تیرے کیونکہ جیے | جس کی چھاتی پہ پھر گیا ہو سانپ
تو پھرا وے ہے مجھ سے آن ہی ہیں | یہ کیا ہے ڈھنگ اے اشرف زادے

بلبلوں کی طرح سے مچتا ہے پروانوں کا غل
تُربتِ مجنوں پہ جس دم شمع سے جھڑتے ہیں گل

(حرف و)

درگاہ

امیرِ بے نظیر والا فراست مُشیرِ صاحب تدبیر قابلِ وزارت، مضامینِ لشکر معانی سپاہ، نواب موتمن الدولہ خاندوراں سالارجنگ درگاہ قلی خاں بہادر درگاہ۔ خلف الصدقِ خاندان قلی خاں، بست و نہم رجب سنہ اثنین و عشرین و مائۃ الف متولد شدہ در عمرِ چاردہ سالگی نواب آصفجاہ غفران پناہ بمنصب و جاگیر سرفراز فرمود و چونکہ بہ بست سالگی رسید ہمراہِ رکاب بود و اکثر خدماتِ لایقۂ حضور داشت تا حینِ حیاتِ نواب موردِ عنایات بود و در وقتِ نظام الدولہ ناصر جنگ بانواع مراحم و خدماتِ لایقہ مامور بود۔ و در زمانِ امیر الممالک صلابت جنگ بمنصبِ شش ہزاری و خطابِ موتمن الدولہ و صوبہ داریِ خجستہ بنیاد مفتخر گردید و در عصرِ نواب آصفجاہِ ثانی دام اقبالہٗ بمنصبِ ہفت ہزاری و ماہی مراتب و خطابِ موتمن الملک ممتاز گردید، و پس از چندے بخطابِ خاندوراں سرِ افتخار برافراخت، و تا چہاردہ سال بہ صوبہ داریِ اورنگ آباد پرداخت۔ غرۂ رجب ۱۱۸۹ھ از صوبہ داری معزول شدہ پنجم ذیحجہ سنہ الیہ از انجا پرگنہ نظام آباد کہ سی کروہی خجستہ بنیاد

واقعست وجاگیرِ او بُود رفت۔ وبست ونہم جمادی الاول ۱۲۲۱ھ بمرضِ سرسام بجنت شتافت۔ جنازۂ نعشِ او را از نظام آباد آوردہ در مقبرۂ پدرش دفن کردند۔ عجب قیامت بُود ایں مصراعِ تاریخش میر غلام علی ارشد گفتند۔ ع اہلِ عالم سینہ چاک از ماتمِ سالار جنگ۔ از وست۔

بغیر اوس کے کہو کون شاہِ مرداں ہے
خدا نے شیف دیا اور رسول نے دختر

در مرثیۂ امام علیہم السلام می گوید۔

پکھراج غم سے زرد زمرد ہے زہر نوش
موتی کے دل میں چھید ہے نیلم سیاہ پوش
اس دکھ سے آتشِ دلِ یاقوت ہے خموش
مرجان لہو و لعلِ بدخشاں لہو لہو

منبعِ فواضل، مجمعِ فضایل، مخزنِ معارفِ قدسیہ، معدنِ حقایقِ انسیہ، واقفِ رموزاتِ معقول ومنقول، کاشفِ دقایقِ فروع واصول، رمز شناسِ قدسی منزل میر انور الدین دِلؔ۔ برادر زادۂ شاہ غلام نور خوش است کہ ذکرش پیشتر آمدہ جوانے است سرگرمِ اختلاط ومردیست چسپاں ارتباط۔ اشفاقِ عالیش مبذولِ ایں فقیر است و در مکارمِ اخلاق ممتاز وبے نظیر، حق سبحانہٗ سلامتش دارد

(حرف ذ)

ذکا

دقیقه شناسِ بے ہمتا میر اولاد محمد خاں ذکا، برادر زادهٔ میر غلام علی آزاد، بیست و ہفتم شہر رجب المرجب ۱۱۵۱ھ ہجری در مقام بلگرام که معمورهٔ الیست از مضافات صوبهٔ اوده ہندوستانِ جنت نشان، قامت را بخلعتِ ہستی آراست، و در ظلِّ تربیتِ بزرگانِ خود سواد را روشن ساخت۔ نسخِ متداولهٔ عربیه و کتبِ متعارفهٔ فارسیه که خارج مدارسِ تحصیل را تلمذِ آن ضروری باشد طے کرده مہذب و مؤدّب برآمده۔ از انجا که موزونیِ فطریِ انسان را از مناہجِ اکتسابِ علومِ درسی باز می دارد، سخن طرازی از حلقهٔ درسِ علما اُو را واکشیده بخورهٔ بزمِ شعرا آورده و از نخستیں پایه بدیں سرمایه نشان داد، چنانچه اندیشهٔ او بیشتر متوجهِ نظم شد، و از ہمگی تحصیلِ دلش بر کند و در ۱۱۶۲ھ حسب الطلبِ عمِّ مکرّمِ خود میر صاحب آزاد از وطن بگلزمینِ اورنگ آباد دکن رسید، و باستفادهٔ ملازمتِ کثیر الافاضتِ میر صاحبِ مذکور مباہاتش دست داد، فوایدِ علمی و نتایجِ فنونِ شعری اینجا فوق الحد بر خاطرِ او نقش بست پنج سال کاملے در حضورِ عمِّ مکرم ماند ناگاه بر مزاجش محبتِ وطن غالب آمده و رخصت گرفته روانهٔ منزلِ مقصود شد۔ میان اله آباد و لکھنؤ وغیره امکنه صاحب کمالان سخنورانِ بسیار با و ملاقات کردند، و یکسال کامل و چند ماه با عزیزانِ وطن محشور ماند۔ آخر در ۱۱۶۹ھ نامهٔ طلبِ اُو بارِ دُوم از پیشگاهِ عمّش عزِّ صدور یافت، در ہماں ایّام با نبیرهٔ میر صاحب آزاد سید امیر حیدر نام عزیمتِ دکن اختیار کرد و نہم رجب ۱۱۶۹ھ قدمبوسِ عمّ او منت بر ریش گذاشت۔ ایں بار نواب والا شان فیض رساں صمصام الملک بہادر میر عبد الحی خاں خلف الصدق

نوّاب صمصام الدولہ شاہنواز خاں مرحوم بقدر دانیؒ او پرداختند و بخطاب خانی اضافہ برنام و جاگیر مبلغ پنجہزار روپیہ از جناب رئیسِ دکن اورا مسرور ساختند چہار سال میشود کہ در حیدر آباد دکن اقامت ورزیدہ دوام حاضر باشِ خدمتِ نواب صاحب موصوف است۔ با محررِ سطور ربطِ کمال دارد و اکثر بمجالستِ باہم اوقات خوش می گذرد۔ اشعارِ اُو مدوّن شدہ از انجاکہ ہمّت بجمعِ آں صرف نمی کند مسوداتش بے شیرازہ ماندہ۔ از زادۂ طبعِ اُو حوالۂ خامہ نمودہ می آید۔

نہیں کہتا ہوں مطلق اپنے خطا اوپر ستم کرنا
بہت بالیدہ سبزہ ہو گیا ہے کچھ تو کم کرنا
تکلّف برطرف تقریبِ دعوت عرض کرتا ہوں
شہیدِ عشق کا کل عُرس ہے قاتل کرم کرنا
جہاں ہے جیوں دُکانِ شیشہ گر گھر بادبندی کا
اگر تو چاہتا ہے زندگانی ضبطِ دَم کرنا

میں ان داغوں کے ہاتھوں عمر دیرینہ سے در گذرا
یہی کچھ ہے اگر یہ زندگی جینے سے در گذرا
دلِ حیراں مرے کس کام کا ہے کیا کروں لے کر
جہاں حیرت رہے میں ایسے آئینے سے در گذرا

زنجیر کے حلقہ کو یہی حکمِ جنوں ہے
آ کر کے قدم بوس کرے میرے قدم کا

مزہ تھا روز دار السلطنت میں عشق کے یارو
اگر یہ ہم نہ ہوتا کارخانہ خسروِ دل کا

سیکھے ہو تم کہاں سے چلنے میں ناز کرنا　　بل دار پھیٹا سجنا دامن دراز کرنا
فرمائیے بھلا اب یہ کیا ہے میرزائی　　اوروں سے ناز کرنا یہاں احتراز کرنا

خوش قد کے گر نہیں ہوسِ دل نشینِ آب
کیوں آشنا ہے سرو کے پا سے جبینِ آب

نہیں رہا ہے گریباں کا تار تار درست　　جنوں کا ہات پڑے کیونکہ ایک بار درست
ضرور کیا ہے کہ سوزن کو دیجیے تکلیف　　نہیں قدم سے نکلنے کا ایک خار درست

نہ رکھتا تھا کوئی عالم میں کیا یہ گلستاں وارث
کہ اوس کی گل زمیں کا ہو کے بیٹھا باغباں وارث

سخت ڈرتا ہوں مبادا دیکھ بسمل کا مزاج
ہات سے جاتا رہے بیرحم قاتل کا مزاج
رنگ بگڑے گا عجب کچھ دوستی کا گلستاں
دیکھتا ہوں اس طرف آتا اگر دل کا مزاج

مجھ سے دیوانے کی جب ٹھیری ہے مرنے میں صلاح
پوچھتے کا ہے کو پھر تدبیر کرنے میں صلاح
آج کل اے کاروانِ اشک آنکھوں سے نکل
ہے تجھے دامن کی منزل پہ اوترنے میں صلاح

کیا کہوں میں تجھ سے کیفیت شبِ مہتاب کی
جس طرف دیکھو نظر آتا ہے بام و دَر سفید

حِنا نے خوں کا رتبہ کھو دیا خوبوں کے ہاتوں سے
کسے معلوم تھا ہووے گا یہ کچھ رنگِ کار آخر

سخت مشکل ہے رفُو پیرہنِ نازک کا　　شاید اس وجہ رہی گل کی قبا چاک ہنوز

تار سے زلفوں کی میں تیری اگر تشبیہ دوں
آسماں پر جا رہے ہر شاخِ سُنبل کا دماغ

مشتاق ہو رہا ہوں شہادت کا دیر سے　　پہنچے سلام خنجرِ جلاد کی طرف

شرم بھی ان نازنینوں کی عجب کچھ چیز ہے
مر گیا دیکھ اوس حیا پرور کے شرمانے کا لطف

ہے غنیمت آج سیرِ گلستاں کا اتفاق　　پھر کہاں ہم تم کہاں یہ دن کہاں کا اتفاق

اوس سرو . . . .　　دیکھا تمہی رفتار کا . . . .
. . . . چلا دیکھو تم ہی　　. . . . . مسافر کے عیاں ہے سفری رنگ

جس ہاتھ نے سو طرح مرے خوں کو ملا ہو مہندی کے لگانے سے کہو کیونکہ بھلا ہو

ہمارے کیا گلے کا ہار ہو کوئی یہ سایہ چیز کیا ہے جس کا منت دار ہو کوئی

جنوں کے ہاتھ سے ہم کیا کہیں دل سخت حیراں ہے
گریباں کر چکے ہیں نذر آگے اب یہ داماں ہے
تجھے واجب ہے جانا عرس میں اپنے شہیدوں کے
سنا ہوں میں کہ اون کا آج صندل کا چراغاں ہے
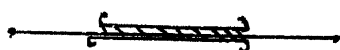
(حرف ر)

رمز

میر سید علی رمز ۔ خلفِ ارجمند سید نوازش خاں راز است و برادر بزرگ
افسر ۔ با فقیر محبتِ صمیم و ربط قدیم می دارد ۔ مولدش اورنگ آباد است۔
و در فنِ شعر والدش استاد ۔ اکثر اوقات باہم اتفاقِ مجالست گاہے بغریب خانہ ام
وگاہے بدولت خانہ اش می افتاد ۔ فقیر تمنا و محمد سیف اللہ انور و صوفی شاہ کاظم
و میر رمز یکجا نشستہ ذکرِ اسیر و شوکت و بیدل وغیرہ در فن تحصیلی بمیاں
می آوردند ۔ و ایں قرار داد شدہ بود کہ معنیِ فردِ مشکل را ہر کس علٰحدہ مذکور
نماید ۔ القصہ باہم عجب بکیفیت تمام می گذشت ۔ حق تعالٰی ہمہ ہا را سلامت دارد۔
ایں چند طرۂ سیاہ از فرقِ فکرِ اوست ۔

جھوٹے بھی نہ پوچھا کہ وہ ناشاد کہاں ہے
اے وعدہ فراموش تجھے یاد کہاں ہے

جوں قبلہ نما قبلہ طرف دل اودھر آوے
خنجر کو لیے ہات میں قاتل جدھر آوے

(حرف س)

مرزا محمد رفیع سودا

نکتہ سنج دانش دستگاہ، خوش ذہن والاجاہ، دانشور یکتا مرزا محمد رفیع سودا در معنی پروری و مضمون گستری ممتاز است و صافیٔ ذہن و جودتِ طبعش بے انبازے۔ سخن را از گل کردن زبانش ہزار گلشن بر دست و مضمون را از سرزدِ بیانش چمن آبرو۔ نے شکر از چاشنیٔ شعرش پایۂ حسرت در گل است و عسل را از ذائقۂ فکرش نیشِ زنبور در دل۔

نہ پوچھ سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان
میرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پاسے کہ بس تمام

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہرِ نا انصاف
برائے زہد چھپے رازِ عشق رسوا ہو

الٰہی ہے سکت نعم البدل کے تجکو دینے کی
مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

روزی کو نہو مضطر ٹک دیکھ تو گوہر کو   ہے ساتھ نصیبوں کے ہم آب وہم دانہ
میں تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر   اب شورِ قیامت نے گھیرا ہے در خانہ

ٹک جاگ رے تو چھوڑ کہ غافل پلنگ و خواب
آخر تو پھر یہی ہے کہ چھاتی پہ سنگ و خواب
ٹوٹا وضوئے شیخ تو جورو کی اون کی نیند
اُچٹی تو یہ کہا کہ صدائے تفنگ و خواب

آہ اس دل نے تجا ننگ و حیا کو ورنہ   کیا کیا باتیں ہیں تمہاری کہ ہمیں یاد نہیں

اشک آتش و خوں آتش و ہر لختِ دل آتش
آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش
یاقوت نہیں لب کی تیرے شرم سے اے شوخ
جا ڈوب موئی آب میں ہو کر خجل آتش
ایک قطرۂ مے اوڑے سودا کو جگہہ سے
بارُوت کے تودے کو ہے بس ایک تِل آتش

کھینچ کر پوست کرے گردشِ ایام سفید   چاہے تجھ چشم کے آگے جو ہو بادام سفید
رات کو بہت سا مکڑا کے چلے تھا کالا   ہو گیا دیکھ تری زلف سیہ فام سفید

ماریں گے ایک دو کو یا آپ مر رہیں گے   پیارے تری گلی میں کچھ ہم بھی کر رہیں گے

اے ابر جائیو مت کم رونے پر ہمارے — یہ چشم پھوئی تالاب بھر رہیں گے

روتے تھے گل کو کانٹوں کی بھی اب تو باڑ گئی

ہے ہے خزاں چمن کے تئیں یوں اوجاڑ گئی

دل میں بسنے کی تیرے مجکو نپٹ ہے شادی

چشم بد دور سلامت رہے یہ آبادی

دامن مکانِ اشک سے ہے دو قدم کی راہ — آنکھیں چرا نہ لختِ دِل اتنے سفر سے تو

مے کشاں روح ہماری بھی کبھی شاد کرو — ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

سنکے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جان کاہ کو — کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کروں اللہ کو

آگے شمشیر تمہاری کے بھلا یہ گردن — مو سے باریک ترا اے موکمر ہے کہ نہیں

دِل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں — کچھ عِلاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

نہ دیکھا اس سوا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا

گل ادھر سے گئے گلچیں، گئی روتی اودھر شبنم

کون کہتا ہے کہ مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل

جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

نہیں بیوجہ کوچے سے ترے اُٹھنا بگولے کا
ہماری خاک بھی جاتی ہے تیری راہ کے صدقے

سراج

مجمعِ مکارمِ اخلاق، منشائے محاسنِ اشفاق روشن ضمیر عالی مزاج، سید سراج الدین سراج۔ فکرِ عالی و طبعِ رسا می داشت و در معنی تلاشی علم اوستادی می افراشت، از چندے چراغِ ہستیش بباد صرصرِ اجل خاموش گردید و ازیں بزمستانِ ظلم آلود بنورستانِ دار السلام رسید۔

اوس سبزہ خط کی یاد اگر دل میں لائیے
لختِ جگر تراش زمرد بنائیے

نیں حقیقت میں حُسن و عشق جدا
طوقِ قمری ہے طرۂ شمشاد

آہِ سوزاں سے مری دامنِ صحرا میں سراج
قبرِ مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

ڈورے نہیں ہیں سرخ تری چشمِ مست میں
شاید چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا

بے خطی میں عیاں ہے سبزۂ خط
تیرے عارض میں بس کہ صافی ہے

ترے جو لب پہ نمودار ہے سیاہیٔ خط
خبر بھی ہے اثرِ دودِ آہ کس کا ہے

زندگانی دردِ سر ہے یار بن
کوئی ہمارے سر کو آکے جھاڑ دے

نازک بدن سے مست رل گئی بیر میں کھا ہوں
جامن، ترے خوشی ہے رسوائے عام ہوتا

خبرِ تحیرِ عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی

نہ تو میں رہا نہ تو تو رہا جو رہی سو بیخبری رہی

شہِ بیخودی نے عطا مجھے کیا اب لباسِ برہنگی

نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

بنی ہے بینوا تیری جدائی کے محرم میں　　　گلے میں بلبلوں کے موجِ رنگِ گل کی سیلی ہے

سالم

خوبانِ معنی رائلہم، محمد کرم بخش سالم۔ ماہتابِ طبیعتش از فروغ توجہ خان ذکا مقتبس النورِ خوش گوئی گشتہ و شمعِ استعدادش از شعلۂ آں مشعل افروزِ سخن طرۂ مقیشئ اصلاح بر فرقِ اشعار گذاشتہ، سلسلۂ نسبتش بہ سی و پنج واسطہ بعمرِ فاروق میرسد۔ مدتے بخدمتِ قضائی پرگنہ بیپری کہ بفاصلۂ ہفت کروہے بلدۂ خجستہ بنیاد است باستقلالِ تمام سرانجام دادہ، چونکہ در عہدِ آصفجاہِ ثانی عزل یافت بہ تقریبِ بحالیِ خدمتِ مذکور بہ فرخندہ بنیاد رسیدہ در جنابِ نوابِ صمصام الملک بہادر صارم مدّ اشفاقۂ، می گذارند۔ بنابرِ ملاقاتِ ہر روزگی کہ در دربارِ نوابِ موصوف دست می دہد با فقیر اتحادِ دلی بہم رسانده۔ در علمِ عربی بہرہ اندوختہ و در فارسی نیز دستے دارد۔ مردلیست خوش خلق، کشادہ رو، بدیہہ گو، مضمون رس، سخن شناس و این تذکرہ نیز از گفتۂ اوصورتِ آغاز و کیفیتِ انجام پذیرفت، بلکہ بعضے مسودات کہ از زبانِ خامہ بگوشِ قرطاس مسموع می شد بر جزوِ علحدہ صاف می نگاشت، حق تعالیٰ آں مرد را جزائے خیر دہاد۔ ایں چند زمرد پارہ از معدنِ طبعِ اوست۔

تنِ شیریں پہ چسپاں جس نے دیکھا ہی ترے جوڑا
اسی دم کوہکن ساں تیشۂ حسرت سے سر پھوڑا

کناری زُلف کے نزدیک کیا ہی جھلکے گرتی ہے
کہ کالے ناگ نے گویا اُلٹ کر کیچلی چھوڑا

گذر گئی عمر سب خوش قامتوں کی ٹھوکریں کھاتے
ہمارا سر بھی سالم ہے گویا اس باٹ کا روڑا

کوئی گر چاکِ جگر کوئی لہو گھوٹا نکلا
جو سرِ خاک سے میرے گُلِ دلوٹا نکلا

سُرخ رو کیونکہ بر و بار سے ہوئے شمشاد
راستی ہیں جو تیرے سامنے جھوٹا نکلا

یاد ہی زلفِ شکن دار کی کس کی سالم
جو دم سرد تیرے سینہ سے لوٹا نکلا

میں نے دِل اب تو ترے ہاتھ دِیا یا قسمت
کام جو مجھ سے نہ ہونا تھا ہُوا یا قسمت

کوئی دن خوب سی ہم نے بھی مچائیں دھومیں
اب وہ ہم ہی ہیں نہ وہ دِل ہی رہا یا قسمت

ایک تھا مجھ طرف آنے کو تجھے عذرِ حیا
تس پر اب پاؤں کو باندھی ہی حنا یا قسمت

جس طرح کھیت کو شاداب رکھے ہی شبنم
سبز ہی حُسن تیرا یوں عرقِ شرم کے سات

سوتواں جوڑا قیامت ہے یہ تیرے بر میں آج
سچ بتانا خون عاشق سے کہاں کا ہے رواج

خاک میری مت بیاباں سے اُڑا اے گرد باد
ان غزالوں کے مجھے پھر نقشِ پا آویں گے یاد

باغباں ہم سے چلے سر پہ تیرے پتھر کے زخم
باغ میں آتے ہی طالع نے ہمارے گل کیا

خوب رویوں کو نہیں پردے میں ہرگز اعتبار
دُرِ صدف کی قید سے نکلے پہ پاتا ہے وقار

دیکھیے آتا ہے قاتل کس طرف خنجر بکف
ایک میں ہوں سو تو آپی لے رہا ہوں سر بکف
کس بتِ طامع سے اے خورشید سودا ہے تجھے
ہر سحر دیکھا تو آتا ہے لیے تو زر بکف

مجھے تو نے عبث کیوں نیم بسمل کر دیا قاتل
نہ جیتا ہوں نہ پورا مر چکا یہ کیا کیا قاتل
بچے کس طرح سے جو وسمہ ابرو کا ہو مارا
کہیں بھی تیغ زہر آلود کا زخمی جیا قاتل

بگولا کب ہے وہ یعنی جو گرد آلود اٹھتا ہے
مزارِ قیس سے صحرا میں رہ رہ دود اٹھتا ہے

مرا سرشک ہے مینائے کاغذی کی شکل
کہ آستیں کی ہوا سے شتاب پھوٹے ہے

دیکھی نہ وفا ہم نے تو واللہ کسو کی | پھر دل کو کس امید پہ ہو چاہ کسو کی

موئے کے بعد مصاحب بنا ہے سنگ مزار | بزیر خاک بھی ہم سے جنوں کی خو نہ گئی

حجاب دختر رز کو تجھی سے نیں زاہد | جہاں گئی ہے تو بے پردہ سبو نہ گئی

باغ میں دیکھ لیا سرو سمن اور ہی ہے | ہم نے جو دید کیا ہے وہ چمن اور ہی ہے

لعل و یاقوت ترے لب کو نہ پہونچیں ہرگز | اس میں سنتا ہوں تو کچھ لطف سخن اور ہی ہے

عشوہ و ناز ترا ہوش ربا ہے لیکن | صید دل جس سے کرے ہے سو وہ فن اور ہی ہے

عطر و عنبر کو کس انصاف سے دیجے تشبیہ | بو تری زلف کی اے رشک ختن اور ہی ہے

خان و ماں سے مجھے اب کام نہیں ہے سالم | گھر دوانے کا کہیں ہووے وطن اور ہی ہے

گوارا ہو سکے دل پر اگر مجھ سے خدا روٹھے
ولیکن کیا قیامت ہے جو تجھ سا دل ربا روٹھے

کبھی نظریں چرا کر مسکرانا کچھ نگہ کرنا
غرض کیا لطف ہے جب آشنا سے آشنا روٹھے

نہ کھینچا کبھی تیغ جفائے یار سے سالم
مرے بھی کوئی تو ایسے نازنیں قاتل سے کیا روٹھے

اک جان ہے سو اب تک تجھ بن ترس رہی ہے | پھر پوچھتا ہے پیارے کیا کیا ہوس رہی ہے

میں کب ہوں میکشی میں محتاج ابر باراں | میری ہی چشم تر سے بھادوں برس رہی ہے

ہمارے قتل کا اثبات تجھ پر کیونکہ ہو قاتل　　حنا شاہد تھی سو اب وہ اوڑی جاتی ہے ہاتوں سے

کفِ پا تک نہیں ہے بار جنکو سو یہ عاشق ہیں　　جو سر پر بیٹھتے ہیں پیرزا ہیں بلکہ بے پروا

بات کہتے ہو پھر اوڑاتے ہو　　تا لکا جان ہم نے بوجھ لیے

سر نے جب اوس کا میں سینے سے لگایا تو کہا
بس اب افشاں میرے ماتھے کی جھڑی جاتی ہے

دیکھ لیویں گے کبھی ہم بھی تمہیں خوب طرح
کہیں آخر تو مل ہی جاوٴ گے باٹے گھاٹے

نالہ خاطر خواہ گر کیجے تو ایسا دم نہیں　　بات کہہ کر دل کو بہلاویں تو کوئی محرم نہیں

کس طرح عشق ترا کوئی نہ سمجھے سا آتم　　چشم گریاں دل غمگیں کا نشاں ہے تحفہ

عطرداں دیکھہ ترا کیوں نہ ہو دل کو حیرت
چار کونے کا یہی چاند نظر آیا ہے

زیب دیتا ہے زری جوڑا سنہری رنگ پر　　شعلہ رویوں سے مناسب ہے رکھے کرتاس را
اوس حنائی دست پر دیکھا ہوں سالم دست بند　　کر لیا ہے پنجہ مرجاں سے کیا الماس راہ

تو جب کہ میرے ہات سے دامن چھڑا چلے　　تب میں جو تیرے پاؤں پکڑ لوں تو کیا چلے
صیاد بلبلوں کے قفس کو نہ کر غلاف　　گُل کے جلے ہوؤں پہ کبھی تو ہوا چلے
ارمان دِل کا دِل میں رہے یوہیں کب تلک　　اے بیوفا کبھی تو مرا بھی کہا چلے
ساتمؔ ہی اشکِ سرخ سے دامن مرا چمن　　بس اب گلوں کی سیر کو کس کی بلا چلے

گیا تو ناز سے پر دِل میں وو تیری لٹک رہ گئی
برنگِ گُل تو جس کے پاس سے گذرا مہک رہ گئی
وہ کیا حسنِ جہاں افروز ہوگا شعلہ رُویوں کا
صفا میں آئینہ کے جن کی صورت کی چمک رہ گئی
کہاں دل سے نکلتا ہی خیال اوس کی کناری کا
مرے خاطر میں یعنی جس کے دامن کی دھنک رہ گئی
گرے ہی آستیں سے چھن کے آنسو خاک میں ساتمؔ
عجب موتی ہی پھوٹے پر کبھی جس کی یہ ڈھلک رہ گئی

جی دیے بات کے کہتے ہی وفا ایسی ہو
ہم نے یہ کی ہی میاں اور سے کیا ایسی ہو
ہو سکے کب ترے قامت کے مقابل شمشاد
راستی ہی کہ کہاں اوس میں ادا ایسی ہو
ایک دم میں ہی کھلیں چاہیئے سو غنچۂ دل
اے نسیمِ سحری ہو تو ہوا ایسی ہو

(حرف ش)

شہید

قفلِ سخن راکلید مولوی محمد باقر شہید۔ تولدش در گجرات واز مدت مسکن وماوا در خجستہ بنیاد اورنگ آباد ورزیدہ بتوکل توغل داشت۔ مرد صاحب کمال، صوفی مشرب وصافی مذہب بود، اکثر اعزہ از ذاتِ تقدس صفاتش بہرہ برمیداشتند وراہِ بطالت گذاشتہ جادۂ ہدایت می پیمودند۔ از چندے شہیدِ تیغِ اجل گردیدو جا در سرائے خاموشاں گزید۔ از وست۔

بہارِ درد کو اس غنچۂ دل میں تو مخفی رکھ
نہ کر بکھر گل خرابی چہرۂ رازِ نہاں میرا

شہید اوراقِ ہستی جمع کر جوں بیڑۂ پاں تو
یہ رنگیں بھیس سے شاید کہ لعلِ یار کو پہنچے

تو قانونِ عمل کا تار مت توڑ	کمر طاعت سے خم کر چنگ ہو جا
شہید اس نفس کافر کیش کو مار	حقیقت کا مظفر جنگ ہو جا

(حرف ض)

ضیا

ضیا برہانپوری سلمہ اللہ تعالے، میرزا عطا نام دارد، اصلش از گروہ برلاس

است وجدّ مادری او میر برہان اللہ از سادات حسینی، مولد و منشائے او قصبۂ بودر کہ بست کروہے برہان پور جانب اورنگ آباد واقع شدہ۔ ولادتِ او ہفتم شوال سنہ ثلاث واربعین ومائۃ والف رو داد۔ چوں بسنِ شعور رسید از بودر بہ برہان پور رفتہ رنگِ توطن ریخت واز بعضے اساتذہ باکتسابِ فنونِ فارسی پرداخت وچوں شاہ سراج الدّین اورنگ آبادی وارد برہانپور شُد اصلاحِ شعرِ ریختہ ازو گرفت و در اورنگ آباد آمدہ بخدمتِ حضرتِ آزاد مغفور فائز شُد ومشق شعرِ فارسی را بجائے رساند کہ از کلامش پیدا ست و بہ یمنِ تربیتِ والا از زمرۂ اقران ممتاز بر آمد، چنانچہ می گوید۔

شیخ گفتا کہ صاحبِ ارشاد منم ۔۔۔ علامہ بگفت شہرا ستادمنم

من گفتم ایں کہ ہر چہ خواہید شوید ۔۔۔ اما بخدا بندۂ آزاد منم

و نیز مثنوی در مدحِ والا اسم کردہ، ایں ابیات ازان است۔

حضرتِ آزاد کہ استادِ ماست ۔۔۔ قبلۂ جان ودلِ منقادِ ماست

بادۂ عرفاں زدہ ہشیار مست ۔۔۔ بعد نبی ہر چہ کہ گوئیم ہست

ہست سیادت چمنِ بیخزاں ۔۔۔ او بود الحق گلِ ایں گلستاں

نامش اگر ہست غلامِ علی ۔۔۔ اوست شہ ملکِ خفی وجلی

مطلعِ آں مہر بود بل گرام ۔۔۔ پرتوِ او باد چراغ دوام

مشتہر خلق باستادی است ۔۔۔ نام زدِ رتبۂ آزادی است

در رہِ علم آمدہ او را دلیل ۔۔۔ تربیتِ حضرت عبدالجلیل

گر بشماریم کلیمش رواست ۔۔۔ مرتبہ اش ید بیضا گو است

واقفِ اسرارِ زباندانی است ۔۔۔ انوری وصائب وخاقانی است

شعرِ ترش کلفتِ دل را دواست ۔۔۔ ہست سخن نامیِ راحت فزاست

نیست رقم کردہ آں مقتدا | چوں خطِ تقدیر بحک آشنا
ہر کہ از و درسِ بلاغت نخواند | بے خبر از عالمِ تحقیق ماند
ہر کہ بحالش نظرِ او شود | بہ ز فلاطوں وارسطو شود
مرتبہ اش فوق تر از شاعری | بہرِ تفنّن بود ایں ساحری
ہست بمعمورۂ علم و عمل | حضرتِ آزاد امیرِ اجل
صرفِ ریاضت بود اوقاتِ او | موعظۂ محض حکایاتِ او
بہرِ حصولِ غرضِ خاص و عام | ہست زبانش متحرک دوام
ہمتِ عالیش سحاب است و بس | رشحہ فشاں بر گل و بر خار و خس
فیض رسانی عملِ خاصِ او | جملہ جہاں بندۂ اخلاصِ او
بس کہ بامداد کمر بستہ است | خانۂ او مامنِ ہر خستہ است
علم و عمل خادمِ دربارِ او | فیض و کرم بندۂ سرکارِ او
بے ادبی را بدرش بار نیست | محفلش آمادۂ اغیار نیست
مرحمتش مرہمِ ہر ریش باد | لیک بر احوالِ ضیا بیش باد

مرزا ضیا دریں ایام با میر حامد یار خاں مخاطب بہ ارسلان جنگ برادرِ اعیانی میر موسٰے خاں مخاطب برکن الدولہ بہادر اورنگ آبادی وکیلِ مطلقِ نواب آصفجاہِ ثانی دام اقبالہ خدیوِ دکن بسر می برد و با مولف بنا بر خواجہ تاشی یعنی تلمذ از یک استاد ارتباطِ فراواں دارد صاحبِ دیوان است۔ و چوں ہنوز بچہل سالگی رسیدہ و امیدِ عمرِ طبعی دارد انشاء اللہ تعالٰے۔ معانی بسیار از طبعِ وقاد او سر میزند ایں چراغاں بترتیب افروختۂ ضیاست۔

کیا میں فرض کہ تم کو مرے سے کام نہ تھا
پر اس طرح کی کچھ آزردگی میں نام نہ تھا

جو کرنا نہیں سو تو کرتا ہے ناصح
پھر اپنی جگہ پاک کا پاک ہو گا
پگل جائے ہے ہر کسی کے کہے پر
وہ گلرو عجب موم کی ناک ہو گا

نہیں آرزوئے شرابًا طہورا
ہمیں بس ہے یہ آنسوؤں کا طہورا
رقیب اوس سے کرتا ہے سرگوشیاں جا
بہت موہنہ کو لاگا ہے یہ کن کھجورا
ہے غنچہ ہی کی منت میں حواجۂ زر
پھر ایسا نہیں گا نٹھہ کا کوئی پورا

اُٹھادے اب تو اے ساقی تقید بے حجابی کا
کہ کیا ضبطِ سخن سے پیٹ پھولا ہے گلابی کا

مجھ پر جو نیٹ ہی جور ہو گا
مشفق یہ کہاں کا طور ہو گا
ہے یہ بھی تو اپنی جائے پر خوب
پر وہ جھلکا کچھ اور ہو گا
معدوم ہوئی ہے آشنائی
یہ بھی ایک طرفہ دور ہو گا

تمہیں جو دل میں مرے سے غبار رکھنا تھا
تو ابتلک عبث اُمیدوار رکھنا تھا
اگرچہ ہوگا نہ دشنام لطف سے خالی
پر اس غلام کا کچھ تو وقار رکھنا تھا

جو تم کو موہنہ سے کبھی اوس نے باوفا نہ کہا
میاں غضب نہ ہوا کچھ بھلا بُرا نہ کہا

سُنا جسے سو وہ گستاخ ہے تمہارے سے
یہ ایک غلام نہ ہووے کہ کچھ پھرا نہ کہا

روٹھے ہو کیوں مرے سے تجھے میں نے کیا کہا
اتنا گناہ گار تو ہوں گا جو آ کہا
کیا بات ہو کہ جس کو رکھے دل میں گانٹھہ باندھ
گر بے وفا کہا تو کہا کیا بُرا کہا
سُن سُن کے زاریوں کو مری موہنہ پر ہات پھیر
سمجھوں ہوں ایک دن میں ترے سے بھلا کہا
تب میں دیا جواب کہ آج ہی اے مہربان
جل جائیں دو دو نیم چہ مانو مرا کہا
بھرلا کے آنسو آنکھ میں مجکو لپٹ گیا
کہنے لگا کہ تجھ سے جو میں نے ضیا کہا
کچھ زہر تو نہ تھا کہ ہوا تجکو ناگوار
جا جس کو . . . . . . اگر کچھ کہا کہا

کہو تو غیر سے تم مطلبِ نہاں کی بات
نہیں سو ہم سے کہو بارے یہ کہاں کی بات

مایل دماغ اوس کا ہے بس کہ عذرِ کیں پر
اوترا ہے چشم بد دور اب آسماں زمیں پر
ہم دست ہوتا ہے اور آئینہ سے ہم دم
ایک اینٹھنا اکڑنا جو کچھ ہے سو ہمیں پر
ایک روز میں ضیا کو دیکھا کہیں سو ناگہ
میری نظر پڑی جا اوس کی جبیں کی چیں پر

تب میں کہا کہ صاحب کیوں ہیں گرفتہ خاطر　　موسم بہار کا ہی فرحت ہی آفریں پر
کہنے لگا کہ لازم مجکو ہوا جو بولوں　　اس شرط سے گر آوے باور ترے یقیں پر
ساعت بھی ہوئی نہو گی اس ماجرا کو گذرے　　سیر چمن کا سودا آیا دلِ حزیں پر
کیا دیکھوں بلبلوں کو صیاد کی جفا سے　　کئیں آشیاں پڑے ہیں اور سر کہیں کہیں پر

دیکھے نہیں ہیں ہم نے کسی دلربا کے بیچ　　واللہ یہ تکبر و یہ ناز یہ غرور

تم سے بعید ہی مرے لوہو کو چھوڑ کر　　آگے حنا کے ہات پسارو ہزار حیف
خسرو کی زندگی ہو مرے کوہکن سا شخص　　انصاف کچھ رہا نہیں یارو ہزار حیف

اگر خیال میں گذرا ہی امتحاں جو حکم
ہمیں تو کچھ نہیں انکار مہرباں جو حکم

ایک دن چاہا کہ دل کے رفع کرنے کو ملال　　دیکھیے گلزار اور کیجے علاج درد و غم
باغ میں پہنچا سو گل کو دیکھ دل پر خوں ہوا　　اور بلبل کی صدا سن کر اوٹھا شور ایک دم
سن کے یہ ہنگامہ مالی نے ہوا مانع کہ آپ　　ہے ابھی بہتر سدھاریں اور کریں فریاد کم
تب مجھے یہ فارسی کی بیت یاد آگئی ضیا　　سامنے اوس کے پڑھا اور روکے میں چلے قسم
نیستم گلچیں بردیم در مبند اے باغباں　　می نشینم گوشۂ کا واز بلبل نشنوم

ای قاصد اوس یار بیوفا کو میری طرف سے سلام کہناں
سلام کہنے کے بعد میرا ادب سے آہستہ نام کہناں

تواضع تو نپٹ کرتے ہو سب سیں | ہوئے تم مہرباں اللہ کب سیں
مریں جوں شمع رو رو ہم ترے بن | اگر گذرے زمانہ ایک شب سیں
ضیا میں ایک دن سیر چمن کو | گیا خوشو قیتوں سے اور طرب سیں
تو کیا دیکھوں کہ گل کی بارگہیں | نپٹ گلبانگ ہی شور و شغب سیں
ادھر مالی کا شور اودھر سے بلبل | پکارے ہے تفاوت اور ادب سیں

ہمیں جو پوچھو تو محو ظہور خالق ہیں | کوئی ہو صوفی کوئی شیخ یار عاشق ہیں
کسو زمانے میں یہ رسم تھی پر اب وو کہاں | کہ دور چلتے ہیں اور صحبتیں موافق ہیں
یہ وقت اب ہی کہ جوں زلف ہیں پریشاں سب | خفا ہیں عمر سے اور شاکی لواحق ہیں
سوائے یار کے صورت سے دختر رز کی | جو کوئی خوش ہو تو ہووے یہ یار تو دق ہیں

اہل جنت کا جو کچھ رتبہ ہی اوس سے کم تو ہیں
پر ٹک ایک انصاف کر واعظ بنی آدم تو ہیں
آزمانا تیغ ابرو کا اگر مرکوز ہے
فکر اتنی کیا ہے بسم اللہ ظالم ہم تو ہیں

نپٹ کرتا تھا لاف آئینہ اپنی استقامت میں
بہی پھرتی ہے کانچ اوس کی جو اب ڈوبا ہے حیرت میں
جلاتی ہے جو دل اپنے کو پروانے کی غربت پر
خدا پونہچاوے تیرے تئیں کھڑی اے شمع جنت میں

جو کوئی کہ حال پہ میرے نگاہ کرتے ہیں　　بتوں کے نام کو سُن واہ واہ کرتے ہیں
نہ دودِ آہ کا پوچھو سبب کہ ہم ہر طرح　　غمِ فراق کے مونہہ کو سیاہ کرتے ہیں
یہ مغبچوں نے جو مونڈے ہیں مو کو شیشہ میں　　ہمارے عیش کی کیا دیکھیں راہ کرتے ہیں

اے ساقی مفت کھوتا ہے مزہ حیلہ حوالے میں
ڈبادے عقل کی کشتی کے تئیں ایک ہی پیالے میں

ڈاڑھی بڑھانے میں ہی بزرگی کا نام نئیں
رندوں کے آگے پشم برابر بھی کام نئیں

ہم اوس کو دیکھکر حاصل نشاطِ عید کرتے ہیں
جو دیکھا ئیں کسو نے یارو کچھ دید کرتے ہیں
رقیبوں ساتھ جو مذکور تھا کل سُن چکے ہمنے
تکلف برطرف صاحب عبث تمہید کرتے ہیں
الٰہی کونسا خونیں جگر دیوانہ ہووے گا
گریباں پھاڑنے کی جس کی گُل تقلید کرتے ہیں

کب تک ڈر ڈر کے چپ رہوں میں　　انصاف ہے سب ہوں اور نہ ہوں میں
نالائقِ التفات و الطاف　　میں ہی ہوں تمہیں تو کیا کہوں میں

چھوڑ دے دل کے مرے ظالم ستانے کے تئیں　　چھیڑ مت اللہ کی سوں اس دِوانے کے تئیں

دل تو سو جا گئے سے ٹکڑے ہو گیا غنچہ کی طرح　　آگ لگ جاوے تمہارے پان کھانے کے تئیں

دکھلایا مجھے زلف وو نگڑو نے ادا سیں
یعنی کہ اگر تو ہے پریشاں تو بلا سیں
ایک زلف تیری کھاے ہے ہم پر ہی نپٹ بل
پر حیف کہ کچھ چل نہیں سکتا ہے صبا سیں
جب شیخ مجھے پوچھے ہے کہتا ہوں جنوں ہیں
واللہ کہ تخفیف ہے حضرت کی دعا سیں

اے دِل کیا خوب جو کچھ کیا تو　　یوں چاہیے واہ عاشق بی گبرو
اللہ باقی من کلِّ فانی　　کس کام کا ہیں کس کام کا تو
دل تو لیے ہیں صاحب ضیا سیں　　مارو گے پھر کیا جی سیں کسی کو

نہ دل سے دھو سکا آنسو نے ہرگز داغ کاری کو
کہ پانی سے نہیں نقصان کچھ رنگِ قراری کو
میں دل کو نذر کرتا ہوں تری آنکھوں کے ای پیارے
کہ یہ لڑکا نہایت خوب ہے بیمار داری کو
نصیحت سے اگر یہ ہے غرض جو یار کو چھوڑوں
میاں ناصح رکھو چھپّر پہ ایسی غم گساری کو

یہ نہیں مے پھر تو کیا پیتے ہو جانی سچ کہو　　اس سخن میں اب بھی کچھ مرتا ہے پانی سچ کہو

گو کہ میں الطاف کے قابل نہیں قطعِ نظر
پر کسی پر بھی کیے ہو مہربانی سچ کہو
تم نے جو تشریف ارزانی نہ فرمائی کہو
کیوں ہمارے ساتھ ہے اتنی گرانی سچ کہو

غائبانہ جو مروت نہ رکھو تو نہ رکھو
میہاں پر ٹک ایک آنکھوں کا حجاب البتہ
گو تو قاصد مری خاطر سے نہ کہوے تو نہ کہہ
پر کیا ہوگا میرے خط پر عتاب البتہ
ایک دن آگیا کچھ جی میں سو پوچھا مجھ سے
کہ ضیا ہیگا کسو کا تو خراب البتہ
تب کہا میں کہ مرا حال تمھیں روشن ہے
اور تو کوئی نہیں پر یہ جناب البتہ

نہ توڑ دل کو مرے اس نگیں کا کام تو دیکھ
مجھے کچھ اوس سے غرض نیں پر اپنا نام تو دیکھ
کسو کو نیم نگاہی سے کیا تسلی ہو
اگر نگاہ کرے ہے ذرا تمام تو دیکھ

اوٹھے نہ آنکھ ہلاوے نہ کوئی لب اللہ
ہے جان دینا تو آسان پہ ادب اللہ
ہزار بار مرے پر نظر کیے ہو گے
ہنوز کہتے ہو دیکھا ہوں تجکو کب اللہ

اے بتو تمہارے پر دل ہوا مرا گمراہ
لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

دِل ترا لگتا نہیں کیا بن لڑے ۔ مت پکڑ میری زباں اوپر دھڑے
کیا مرے رونے پہ کرتا ہی خوشی ۔ اے ترے ہنسنے اوپر بجلی پڑے

کچھ جھوٹ نہیں ہے اس میں پیارے
وو ہی فدوی ہیں ہم تمہارے

رونا تو خوب تر ہے پر اوس پر ہو آہ بھی
لازم ہے ساتھہ مینْہہ کے ابر سیاہ بھی
اتنا ٹُک ہمک کے جو اُٹھتے ہو خیسر ہے
لائق ہیں ہم تو قتل کے پر کچھ گناہ بھی

گر چشم فتنہ گر کو تغافل سے زیب ہے ۔ پر ای میاں کبھی تو کریں گے نگاہ بھی

کیا کسی کے حال پر اہلِ جہاں کا دِل جلے
شمع کا سر کاٹ لیتے ہیں زباں جب تک ہلے
خود نما کا سر نگوں ہے خاک ساروں کے حضور
عکس پانی میں پڑے ہی پاؤں اوپر سر تلے
گر بتوں کا میں کروں شکوہ تو کافر ہوں ضیا
دل ہی جب ہو جائے دشمن تب کسیکا کیا چلے
کھولاؤ مت مرا مُنہ بیٹھو ان باتوں کا کیا لوگے
نپٹ ہنستے تو ہو اے جان پر دیکھو کہیں روگے

سنو ٹک کھول اپنے کان بلبل کے صفیروں کو
اُٹھو یا حضرتِ دِل خواب سے اب کب تلک سوگے
جو تم اس وقت اپنے بیں نظر آتے نہیں صاحب
اگر دِل کی تمہارے بات بتلادیں تو کیا دوگے

ہے عجب یہ کہ پسند آپ کو بیداد آوے
وو بھی کچھ کام کہ جس کام کی فریاد آوے

ٹیں فرق گُل دیار ہیں جو یہ ہے سو وہ ہے
مُمتاز سب اطوار ہیں جو یہ ہے سو وہ ہے
گر ہے ہوَسِ لعل تمہیں دل کو مرے لو
کچھ فائدہ انکار ہیں جو یہ ہے سو وہ ہے
کس واسطے ہیں رعد و ضیا کو نہ کہوں ایک
واللہ کہ للکار ہیں جو یہ ہے سو وہ ہے

قاصد اگر تیرے سیتی پوچھے وو سنگدل
احوال کچھ مرا جو تاسف کرے ہوئے
کہیو کہ میں تو آیا تھا چھوڑے ضیا کے تئیں
محوِ فغاں اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
جیتا رہا ہے آج تلک یا وو مر گیا
معلوم اب نہیں خبر اس کی ورے ہوئے

کہا کیا ہے کسو دشمن نے ایسا باب میں میرے
نہ کرتے ہو کرم مجھ پر نہ آتے ہو مرے ڈیرے

رقیبوں سے نہایت گرم جوشی مجھ سے بے روئی
مگر دشمن ترا اک میں ہوں اور سب دوستاہیں تیرے
ضیاؔ کے چوٹ لاگی ہے سنانِ عشق کی دل کو
ارے رے رے ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

خاطر پہ اگر اوس کی خیالِ دِگر آوے　　ہے حق کی قسم پھر جو یہ فدوی نظر آوے

منظور اس ایام میں جو کم نگہی ہے　　شاید کسو بدخواہ نے کچھ بات کہی ہے
جو دل کو کسی کے کریں ایک بوسہ میں خوشنود　　خوبوں میں کب اس بات کی توفیق رہی ہے

جو دِل سکے مرے زخم کو دیکھے سو کہے ہے
یہ زور کسی شخص کی تروار بہے ہے

سینہ پر داغ دیکھو سیر اگر مقصود ہے
آئینہ چاہو تو بسم اللہ دِل موجود ہے

ایک میرا ہی نہ کچھ ہوش نکل جاتا ہے　　دیکھ شیشہ کے تئیں جام بھی چل جاتا ہے

دِلِ وحشی کو میرے منہ رن گر گھیر لینا تھا　　یہ کتنا کام تہا ایک پل کا آنکھیں پھیر لینا تھا

آج ہی سب کچھ جفا سے اسے نگیں لب کام لے　　اُس کا منہ کالا ہو جو کل پھیر تیرا نام لے

ایسی مہندی بھری اونگلی سیتی مت لے چٹکی
اے تیرے ہات کو از غیب کے لگیو لکٹی

کیا عجب گر مری آنکھوں میں اندھیری آوے
یہ وو صورت ہے جو آئینہ کو گھیری آوے

اثر اس دیدۂ گریاں کو میرے کئیں بھی جس دیوے
خدا وو دن کرے جو وہ میرے رونے پہ ہنس دیوے

نہ تنہا پانوں پڑتی ہے حنا کے رنگ کی لالی
ہوئی ہے حلقہ در گوشِ محبّت کان کی بالی

گُلابی سینٹت مت ساقی کہ سارا کام بہ جاوے
پیالہ تشنگی سے می کی مونہہ کو کھول رہ جاوے

کچھ رحم نہ ہووے جس بنی آدم کو
ایسا جو ہک ہک کے اوٹھتے ہو گے
گر لعل ہو مہنگا ہے بہاے کم کو
کیا تُم نے میاں غریب پاے ہم کو

تم کو تو وہی ہے ڈھب جو دینا گالی
اتنے ہی میں تم نے رنگ بدلے اللہ
کوئی کیونکہ کرے غبار دل کا خالی
نیلے پیلے ہو بات مونہہ پہ لالی

مالی سے کہا چمن میں گل نے جانی　　شبنم ہے کہاں کہ کوئی نہیں اوس کا ثانی
مالی نے دیا جواب جیویں حضرت　　مدت سے اوٹھا ہے اوس کا دانہ پانی

ہے عشق کے ہات میں حکومت کتنی　　کرتا ہے نپٹ عمل یہ ہر کھلی ٹٹی
رکھ حسن سے بعد خط کے بوسہ کی طلب　　کرتا ہی گا وصول پالا پٹی

دیکھا اِک شوخ میں نہایت دل جو
خوش قد جوں سرو اور .. میں گبرو
گر حور کہوں اوس کو تو کیا حور کو رو
اللہ اللہ کس بلا کا جادو

پیاری ہے شکر لبوں کی مِٹی جیسی
موہنہ لگ کے کہے ہے بات خاطر کی سی
ہات آگئی اور جینا بھی آخر اون کے
ہر چند تھی اپنی جائے کی پکی پیسی

اے شوخ تو کیا سمجھے ہے اب دل کو ہمارے
واللہ جو مر جائے کبھو آہ نہ مارے
وہ شخص جو مینا میں پھرے تو کو بِن اوس کے
جب جانے پری کو کوئی شیشہ میں اوتارے
ایک دن بھی مرے حال پہ افسوس نہ کھایا
صدقے تری اُلفت کے تری چاہ کے وارے

عرضِ احوال اوس سے جب کیجے تو کہوے ہے بناز
مت پھراؤ مغز میرا جاو جی یہ کچھ بھی ہے

جو اشک آنکھوں سے لو ہو بھرے نکالا ہوے
وو جب جیے جو حق اوس کا بچانے والا ہوے
یہی دعا ہے کہ اے سرو قد جہاں تو ہے
خدا کرے کہ وہاں تیرا بول بالا ہوے
وو ہوے دِل کے مرے کھٹکنوں سے کچھ واقف
بغل میں دشمنِ جانی کو جس نے پالا ہوے
کہیے صاف ٹک انصاف سے خدا کی قسم
کبھو جو آپ کے تئیں نے کہے کو ٹالا ہوے

کیا جو دِل سنے میرے ساتھ کاوش
کرے ہرگز نہ کوئی ناخلف بھی
کدھر ہے فوجِ گل اے باغباں حیف
اولٹ گئی کیا ذرا میں صفن کی صف بھی

جُدا خدمت سیتی اے مہرباں گر ہم بظاہر تھے
یہ جیدھر دیکھتے تھے آنکھ اوٹھا کر آپ حاضر تھے
غنیمت بوجھ دل کے ہاتھ میں رہنے کو اب ناصح
کسو وقت اس طرح سے ہم بہی اپنے دِل پہ قادر تھے
تکلف برطرف ایسے جو ہمدم ہو رقیبوں سے
کرم فرما مگر ہم آپ ہی کے بارِ خاطر تھے

ہے جس کو گرمیِ الفت کی تب بچے نہ بچے
ہے زندگی کی طلب اوس کو کب بچے نہ بچے
اے نامہ بر مرا احوال گر تجھے پوچھے
کہیو صاف کہ تھا جاں بلب بچے نہ بچے
پھنسا ہے زلف میں اوس کی ضیا دلِ رنجور
ہے اس مریض پہ بھاری یہ شب بچے نہ بچے

مجھے گماں تھا کہ خوبوں میں دل ربائی ہے
پر آزما کے جو دیکھا تو سب ادائی ہے
کہا میں ایک دن اوس شوخ بے وفا کے ساتھ
سبب ہے کیا کہ ہنوز اس قدر جدائی ہے
دیا جواب ٹک اپنی زباں سنبھال کے بول
یہ کون بات ہے اور اس میں کیا بھلائی ہے
مگر سنا نہیں تونے ضیا کہیں یہ مثل
کہ اختلاط زیادہ بر آشنائی ہے

دل مرا مجھ پاس کب رہتا ہے ایک بد ذات ہے
یا کسی کے ساتھ ہوگا یا کسی کے ہات ہے
ہر طرح اے صاحبِ من دن تو جاتا ہے گذر
پر شروعِ شام سے یہ بندہ ہے اور رات ہے

مرے سے پوچھے ہے جب وہ تو رام کس کا ہے
کہوں ہوں اوس سے کہ دل دار نام کس کا ہے
وہ خط کو پڑھ کے جو پوچھے ترے سے اے قاصد
کہ ہے یہ کس کا خط اور یہ سلام کس کا ہے
کہیو خط تو ضیا کا ہے پر نہیں معلوم
وہ خانہ زاد ہے کس کا غلام کس کا ہے

ہے جہاں عشق واں کمی کیا ہے
دل کی کیا مالیت ہے جی کیا ہے
اے مہ اپنے کو دیکھ اور اوس کو
ہات کنگن کو آرسی کیا ہے
کھول بلبل سے دل کو غنچۂ گل
اوس نے تیری گرہ کالی کیا ہے

عاجز

یکہ تازِ عرصۂ دقیقہ شناسی، سرافرازِ معرکۂ یکہ تازی، دقایقِ سخن را فایز عارف الدین خاں عاجز - بر جمیع علوم کسبی و وہبی قادر بود و تمامی فنونِ شریفہ را ماہر، در ۱۲۶۶ در گذشت و نظارہ گرِ حور و غلمانِ بہشت گشت. نقل می

کنند کہ در سنہ یک ہزار و یک صد و ہفتاد و پنج بعارضۂ سخت بستر آرائے بیمار
گردید و از غلبۂ اشتدادِ مرض نوبت بحالتِ نزع انجامید و طایرِ روحش بسانِ مرغِ
قفس شکستہ مستعدِ پرواز نمودن و گلِ جانش چوں ثمرِ درخت بہ پختگی رسیدہ
در اندازِ ریختن، از معاینۂ ایں حال تفتیش گردید کہ حالا توقعِ زندگی چوں
حنائے بستہ رنگے نخواہد بست و امیدِ درستی چوں شیشۂ شکستہ اصلا وقوع
نخواہد پیوست۔ دراں حالت کہ در حقِّ بیمار کمتر از زلزلۂ قیامت تصوّر
نہ تواں نمودہ تاریخ انتقال از مادۂ اِسم و تخلّصِ خود کہ عارف الدین خاں
عاجز داشت بخاطر عبور بحضّار و حواشی عرضہ داد۔ چوں بقانونِ ابجد اعدادِ مذکور
بشمار آوردند از مطابقتِ حرف بکمی دو سال یافتند۔ فرمود دروغ نباشد
کہ از بقیۂ عمر ہمیں دو سال باقی ماندہ باشد و بعدِ رحلت تاریخ من ہماں
خواہد شد، چنانچہ بمشاہدہ در آمد کہ از ہماں روز بیماریش رو بہ تنزل آورد۔
و در چندے صحتِ کامل عایدِ حالش گردید و در آغازِ یک ہزار و یکصد
و ہفتاد و ہفت ہجری کہ تجویزِ تاریخ کردہ بود، ازیں خاکدان رختِ
سفر بجناں بر بست و بتوصیفِ ساکنانِ فردوس یعنی حور و غلماں در پیوست۔
انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون، از دست

دیکھ دامن گیر محشر میں ترے ہوینگے ہم
خوں ہمارا اپنے دامن سے اے قاتل مت چھڑا

اے ناصح عبث کرنا نصیحت ترش رو ہو کر
کھٹائی کا مجھے پرہیز ہے مت بیچ اچار اپنا

تجھے جلنے سے اور رونے سے میرے کیا ارے مُطرب
بُجا کر دیپک اپنا اور الاپا کر ملہار اپنا

پھیر مت پاکی کو خط پر حُسن اب بس ہو چکا
کیوں عبث گھستا ہے مُونہہ لوہے سے پارس ہو چکا

مُو سفیدی نے میرا ہوش اوڑایا عاجزؔ
خبرِ مرگ کو لایا ہے یہ کا کا کوّا

ادا سے گر ہماری بزم میں وہ فتنہ ساز آوے
بجا کر مہر کا دف چرخ کھا کھا کر گرے زہرا

کیوں عاشقوں کی تمنّا سے غافل ہو کس نیند بھُولے ہوا ماہ رو یو
شوقِ زلیخا کے جذبہ نے دیکھو کس طرح سے یوسف کو کنعاں سے کھینچا

آئی بہار باغ میں پھولے ہیں سب درخت
آلال ہی کہ دِل ہو ترے غم سے لخت لخت
عاجزؔ ہوں شاہِ مُلکِ جنُوں میرے واسطے
سورج کلاہ و چتر فلک ہے زمیں ہے تخت

تم بن اب آہ دل میں غم کی لگی ہے کھٹ پٹ
آنکھوں سے اشک پل پل گرتے ہیں لال پٹ پٹ

نو بہار آئی نہیں آیا میرا لال الغیاث
آہ گل داغوں سے دل پھولے گا اس سال الغیاث

مکتوب میرا اوس شہِ خوباں کے پاؤں لگ
ہُد ہُد لیجاوے گا کہ اوسے ہے ازل سے تاج

ہے لال تیرا ذقن باغِ ناز کی کا ترُنج
اوسے جو سیب کہے جان اس کو دینا رنج

چمن میں چل کے سجن بے حجاب ساغر کھینچ
بہارِ رنگِ گلستاں کے سر سے چادر کھینچ

ہے ہمارے بت کا دِل پتھر کے چیرے کی طرح
کیا کروں اوس کی صفت ہے سخت ہیرے کی طرح
اشک آنکھوں میں مری تجھ بن ارے بیمار چشم
ہیں لگے بادام مقشّر کے حریرے کی طرح
دِل مرا اے شوخِ گندم رنگ تیرے ظلم سے
کھا کے قرصِ داغ ہے کھٹّے خمیرے کی طرح
یوں لکھا وصف اوس شکر لب کا کہ عاجز کلک میں
روشنائی جم گئی مصری کے شیرے کی طرح

تمہارے ذکر سے خونِ جگر ہے اے گُل رو
دیا ہے پلکھوں کے بیچوں میں لال کی تسبیح

لال میرا رنگ یوں ہے گا تمہارے غم سے زرد
زعفراں اوڑتی ہے جب میں جھاڑتا ہوں مونہہ سے گرد
ہر سحر کیا دیکھتے ہو آرسی اے سادہ رو
ہے تمہارے حسن کے دفتر کے دونو صاف فرد

دَور آیا ہے زبوں یا اسد اللہ مدد
دل ہوا ساغرِ خوں یا اسد اللہ مدد

سر اٹھا کر ہم الف بولیں گے اے استاد قد
آہ کی شولی کو یوں دل میں کریں ایجاد تد

نو بہار آنے سے گل آیا ہے اے صیاد یاد
اب کریگا کیوں اسیروں کا دلِ ناشاد شاد
گردن اپنی کر کے خم آیا ہوں اے قاتل شتاب
سر اٹھا کر آج بارِ خنجرِ فولاد لاد

ہے شہد کہاں شیرۂ اُلفت سے مُلذّذ
ہے قند کہاں وصل کے شربت سے مُلذّذ

آجان دیکھ مجھ کو قرباں ہوں کس کی خاطر
مانندِ چشم بسمل حیراں ہوں کس کی خاطر

نوبہار آئی ہمارا گلشن آرا ہے کدھر
سچ کہو اے عندلیبو وہ سدھارا ہی کدھر
سر ہمارا توڑنے وہ سنگ دل آیا ہے آج
مر مرا اب کیدھر ہے یارو سنگ خارا ہے کدھر

بہار آنے سے شبنم نے کیا ہے گل کا بستر تر
چمن میں چل کر اس کو فرش اے خورشید پیکر کر
ہوا ہوں جان یوں دل سو تیری دیکھ بے مہری
بنے کافور کا دانہ رکھوں سینے پہ اخگر گر
لکھا ہوں اے کبوتر نامہ اوس بلقیس ثانی کو
تیرے پر پہ نہ باندھوں اب ہُدہُد کے شہپر پر

ہنرمندوں کا لشکر گر اکٹھا ہو طبیعت سے
سخن کے زور سے ہر بات میں ہوں سخنور
سمندر آگ کا شعلہ ہو جیوں پروانہ جل جاوے
گر اپنی آہِ سوزِ دل کو پھونکوں اوس کے شہپر پر
ہوا لاجنب تب سے خانۂ دل کا ستوں جگ میں
اکھاڑے جب سے عاجز قلعۂ خیبر کا حیدر در

جب سے تم اے نازنیں نتھ کو سجے ہو تب سے ہر
جی ہمارا ناک میں غصہ تمہارا ناک پر
روز محشر میں بچاویں گے تجھے بارا امام
مت سقر کے ڈر سے فکر سات اور پانچ کر

جو دیکھ کر تیری آنکھوں کو دیکھے بیماری
وو قلیہ نرگسی چاہے کہاں کرے پرہیز

بلائے غم کو میرا دل ہے صبر کا تعویذ
نہیں ہے اوس میں خوشی ہے یہ جبر کا تعویذ
اے شمع رو تری محفل سے مر چلا جل جل
دلِ پتنگ سے کر میری قبر کا تعویذ

لال ہے موسمِ گل سرخ کرو اپنا لباس
کہ کریں ہم بھی سخن رنگ سے بلبل کے پاس

نظر میں رہتے تھے ہم چشم جو ہمارے پڑوس
دریغ وو گئے آنکھوں کو موند لاکھوں کوس

جب سے اے رنگیں ادا تیرا ہے رنگِ گل میں نقش
تب سے ہے میری آہ کا ہر سینۂ بلبل میں نقش

سراپا آن ہے تیرے سخن میں — ارے عاجز تجھے ہر آن شاباش

ہمارا اشک تو دیتا ہے آبِ ابر کو قرض
ہمارے دل سے بھی ملتا ہے صبرِ صبر کو قرض

آتا ہے جان بر میں تو ہوتا ہے غم غلط
جانے سے اوس کے سینے میں ہوتا ہے دم غلط

قاتل آتا ہے ہمارا آج خنداں الحفیظ
ہم ہیں ساری سرگذشتوں میں نمایاں الحفیظ
ہجر کی راتوں میں آیا درد میرے دل میں آہ
بے طرح آکر ملا میناسے سنداں الحفیظ

میرا سیپارہ دل ہے جیسے تیرے درس کا طامع
وظیفہ ہر سخن اخلاص سے رکھتا ہو یا سامع

آئی بہار رنگ سے خوش ہے دماغِ باغ
لیکر کھڑی ہے نرگسِ مخمور ایاغِ باغ
عاجز بھی شمعِ آہ جلاتا ہے دشت میں
روشن اگر گلوں سے ہوا ہے چراغِ باغ

گلشن میں ہے بہار چل اے سوخ فیلسوف
شبنم کو مے بنا دیں گلوں کو بنا دیں ظرف

جب سے لکھے ہیں ہم تیرے شیریں لبوں کے وصف
شربت سیاہی ہو گئی آنبوں کے ریشے صوف

جب رنگ ترے لب کی مسی بھرے نقاش
غنچوں کے صدف میں کرے حل چاند کی کالک

لال کی دوری سے سرخی لئے ہو گر اشک ہمارا تو جاتا ہے ڈھل ڈھل
سوز جدائی سے دل لوہو ہو کے نکلنے لگا ہے گا آنکھوں سے پل پل

خاصہ سجن میرا گل بدنوں میں لباس کو جیسے کیا ہے گا تن سکھ
دل میرا پرکالے ہوتا ہے سینے میں سر کو پٹکتا ہوں ہاتوں کو مل مل

اسیرِ عشق کو اے بیکسو تدبیر کیا لازم
جو خوش زلفوں کا بندا ہے اسے زنجیر کیا لازم

نچھوڑو ہم سے اپنے رام خاطر رام رام اپنا
تمہارے رام ہیں حق کی قسم اے شوخ ہندو ہم
اے سیہ چشم آہو دل تیری نگہہ کی یاد سے
بن گیا وحشی غزالوں کے بچکنے قسم

باغ میں اس لالہ رو بن آہ جب جاتے ہیں ہم
دل کے داغوں کو گلوں کے تازہ کر آتے ہیں ہم
عشق سے خوش قامتوں کی سبز پوشی کر پسند
سرو کے بوٹے قبا پر اپنی چھپواتے ہیں ہم
محتسب کے ہوش کو دارو سے دیتے ہیں اوڑا
قلعۂ مینا کوں جب مستی سے بلکاتے ہیں ہم

اب کھولتے ہو زلف نپٹ بندوبست سیں
شاید یہے ہو جان کسی جلد دست سیں
مرتا ہوں تیرے غم میں اے کیفی نگاہ جان
بنوائیو کفن میرا کوئی مے پرست سیں

خوش قدوں کے غم میں مرتا ہوں بنا دو قمریو خانۂ تابوت میرا سرو کے شہ تیر سیں

خوش نگہہ کی یاد میں ساغر کو جب گرداں کروں
بے تکلف گردن مینا کو نرگس داں کروں
اوس حنائی ہات کی تعریف خونِ دل سے لکھ
ریشۂ نخلِ قلم کو پنجۂ مرجاں کروں

تری زلفوں کی لٹ لٹکے وصعاگر یوں فلیلی سیں
بھنور ہو جا کے لپٹے بیل سا نخل چنبیلی سیں

ہمارا خوں بہا دوسے جلد اے یاقوتِ لب تجھ تک
کہ دل خوں ہے تیری مہندی بھری رنگیں ہتھیلی میں

اے مو کمر میاں تیرے غم نے لیا ہے کس
اب کیا کمر کو جیوں کمر بے کساں کسوں

دل کے گھر میں درد آتا ہے برہ کی راہ سے
اوس کے استقبال کو اے اشکِ غلطاں دوڑیو

آج آیا ہوں سخن میں شعرا عشق اللہ
بت بنا زور قلندر رہوں نیا عشق اللہ

اے ماہ رو نشاط سیں آیا ہے ماہِ نو
ہم دیکھتے ہیں تیری بھویں تو ہلال دیکھ

جو گلرخوں کے شوقِ قدم بوس میں مرے   تربت سے اوس کی جو اُگے نخلِ حنا بنے

عاشقِ وحشی کی گر تصویر کھینچا چاہیے   اول اوس کے پانو میں زنجیر کھینچا چاہیے

عرق جب اوس پری کے چہرۂ پر نور سے ٹپکے
خجل ہو گل سے شبنم جیوں لہو ناسور سے ٹپکے

میری آنکھوں سے خونیں اشک یوں گرتے ہیں پلکوں پر
لہو سولی کے اوپر جیوں سرِ منصور سے ٹپکے

مرا دل لا رو کے غم کو پہنے کی حویلی ہے   جگر داغوں سے طاوسِ گلستانِ گندھیلی ہے[1]

وو چنچل کھول زلفیں ناز سے شانے کو پھیرے ہے
ارے دل کیا خبر تیری کہ آنکھوں میں اندھیری ہے
ارے سودائیو مت جھاڑ سمجھو بید مجنوں کو
مبرے شورِ جنوں سے یہ تو مجنوں کی پھریری ہے
سخن فہموں کلّی[2] کے دِن عجب دُرریز تھا عاجز
اوسے تم آج دیکھو بے سخن مٹّی کی ڈھیری ہے

چمن میں جا کے وو رنگیں ادا جب مُسکراتا ہے
گلوں سے رنگ اوڑ کر لال سا جنگل کو جاتا ہے
ہمارا اشکِ خونیں یادِ میں گل روکی بہ بہ کر
نگہہ کو رشتۂ تسبیحِ یاقوتی بناتا ہے
تیری کاکل کی جب تعریف کو اے شوخ لکھتا ہوں
قلم ہاتوں میں میرے ناگ بن کر کلبلاتا ہے

سواری ہے جنوں کے شاہ کی صحرائے وحشت میں
ارے دِل کھول دے آہوں کے جلدی سے نشاں اپنے

---

[1] اورنگ آباد سے قریب ایک مقام کا نام ہے جہاں پہلے باغوں کی کثرت تھی [2] کل ہی

بسے تیری نگاہِ گرم سے ہم تو تیا جل کے
ہماری قبر پر دے جان چھاپے خوب کا جل کے

عشرت

ذہن والا فطرت خواجہ ابوالبرکات خاں عشرت خلفِ ارشدِ نواب لشکر جنگ است، و در معنی تلاشی از بہرہ یابانِ سید سراج الدین سراج است۔ طبع رسا و ذہنِ فلک پیما دارد فقیر در حیدرآباد یکبار بہ او ملاقات نمود مرد بسیار خوش خلق ظاہر و باطن آراستہ بہ نظر درآمدہ دوست۔

ہجر کے درد و مصیبت نے کیا از بس اداس
سر کہیں آنکھیں کہیں اور دل علیٰ ہٰذا القیاس

کیا ہوا حاصل تمہیں توڑے سے اُس مفلس کا دل
ہات آتا زر اگر تم توڑتے نرگس کا دل

احتیاطِ جاں کیے جب تک کہ دل بھی پاک تھا
اب تو ہم گذرے سبھوں سے کس کی جاں اور کس کا دل

صافیٔ آئینہ کب دل کے مقابل ہو سکے
آبِ دریا آبِ گوہر کیوں کے شامل ہو سکے

میں ہوا جب سے تری نرگسِ فتاں سے جدا تب سیتی خواب ہوا دیدۂ حیراں سے جدا

رات دن اِس دلِ بیتاب کی صحبت ہو برابر　　آہ سوزاں سے جُدا دیدۂ گریاں سے جدا
عشق کی آگ میں قایم ہوں گُلِ شمع سا میں　　سر کٹا پر نہ ہوا شمعِ شبستاں سے جدا

گلشنِ دل میں اگر سروِ خراماں گذرے　　اشکِ خونی سے گلستاں میں طوفاں گذرے

مِسی و پاں سے ہے لب پر بہارِ رنگِ عنابی
خمارِ مے سے ظاہر ہے قماشِ سُرخ کمخابی
پلک کے مارتے آنکھوں سے ہو گئے غائب
ہمارے اشکِ خونیں کر گئے پروازِ سرخابی
ہمارے دِل کو عشرت ہے ہمیشہ طاقِ ابرو میں
کہ جیوں محراب میں خوش تھے سدا اشہ نُورِ محرابی

ارے دِل تیرے ٹکڑے ہیں کہاں آنسو کے دانے ہیں
مگر آنکھیں ہمیں نیں ہیں کہ یہ سارے بہانے ہیں
کب اوس زلفِ سیہ کو کنگھی یہ دل کی خوش آتی ہے
ہزاروں پیچ کی باتیں ہیں سو سو شاخسانے ہیں

دیکھا ہوں جب سے باغ میں اوس خوش نگاہ کو
نرگس نے کی ہے گُل میرے سر سے بجائے آنکھ
عشرت مدام مدِّ نظر رکھ یہی دعا
دل جاے جان جاے پہ ہرگز نہ جاے آنکھ

عروج

مصدرِ نکاتِ فنونِ اوستادی میر بہاء الدین حسین عروج اورنگ آبادی۔ والدِ ماجدش ضیاالدین حسین خاں رنگین است، و طبعِ وقادش نگارندۂ تازہ مضامین، ولادتش در ماہِ صفر المظفر سنہ خمس وسبعین ماۃ الف در اورنگ آباد دکن واقع گردیدہ۔ تحصیل متداولاتِ عربی بخدمتِ میر انور الدین دل اتفاق افتادہ و اصلاحِ شعرِ ریختہ اوّل از میر مہربان گرفتہ بعد ازاں کہ حضرت مولوی صاحب بلیغ دام قدرہٗ تشریف آوروند، چند کتبِ فنِ شعر بعالی خدمت گذرانیدہ، و مشقِ سخنِ فارسی و ریختہ ہر دو ازاں جناب می کرد۔ بیعت بجناب مولوی صاحب کردہ و نشۂ فراواں از خمخانۂ معنی بدماغ و دل رساندہ فکرِ سخن کم می کند آنچہ می گوید خوب می گوید۔ درینولا تذکرۃ الشعرا مسمیٰ بہ خزاں[1] و بہار نوشتہ و دراں تلاشہا کردہ، ہر کس کہ می بیند می داند کہ چہ خونہا خوردہ۔ از وست۔

کب لگ رہے گا ہم سے تو بیزار دیکھنا
نبھتا ہے کاں تلک ترا انکار دیکھنا

ہر اک دم تیرِ مژگاں مارتے ہو میرے سینے میں
مگر مرضی نہیں سرکار کی مخلص کے جینے میں

روئے خوب اوس کو دیا حق نے ہمیں بختِ سیاہ
اوس طرف صبحِ وطن شامِ غریباں اس طرف

---

[1] اصل نام بہار و خزاں است

یوں ظلم اے پیارے گر تو کیا کرے گا　　عاشق کوئی بچارا کیوں کر جیا کرے گا
جو جاں کنی کہ ہم نے اُس عاشقی میں کی ہے　　مجنوں نے کیا کیا ہے فرہاد کیا کرے گا

اے دل اوس زلف میں اٹک تو سہی　　یہ بھی اک عاشقوں کا سودا ہے

شاخِ ریحاں ہو اگر آہ مری دُور نہیں
یاد میں اوس خطِ شب گوں کی فغاں کرتا ہوں

عزلت

سلالۂ خاندانِ سیادت، زبدۂ شعرا و علما، معدنِ فضیلت سید عبدالولی عُزلت، خلف الصدق سید سعد اللہ قدس سرہٗ کہ افضل الفضلا و علامۃ العصر خود بُودند و در بندرِ سورت از بدوِ شعور اقامت داشتند و تا اواخرِ عُمر عالمے از فیضِ شاں فیض یابِ تحصیلِ علوم می شد و گاہ گاہے شعر ہم می فرمودند۔ ایں رباعی از اوشان است۔

بے عینِ علی عشقِ خدا شق گردد　　بے لامِ علی عقل و ذکا عق گردد
بے یائے علی شود یقین اللہ قیں　　ہر کس کہ علی شناخت او حق گردد

سید عبدالولی عزلت اواخرِ عُمر در حیدرآباد آمدہ و دیہے بعنوانِ وظیفہ از سرکارِ رئیس الملک تحصیل کردہ۔ در ۱۱۸۹ ہجری عذر جرگۂ خاموشاں عزلت گزید۔ ایں اشعار از وست۔

خواب میں بوسے کو تیرے اون ہونٹوں سے جنگ تھا　　صبح کو دیکھا تو اون لعلوں کا لوٹا رنگ تھا

دل ہوا روشن تو سجدہ سو بسو کرنا پڑا　　آب چشم ترسے جیوں گوہر وضو کرنا پڑا
زلف اوس مہرو کی ہر شب تھی مجھے لیل البرات　　دن پڑے اب جیوں شب قدر آرزو کرنا پڑا

اوس کو پہونچی خبر کہ جیتا ہوں　　کسی دشمن ستی سنا ہو گا

سخت پیکاں چبھے میرے دل میں　　اپنے ہاتوں سے میں خراب ہوا

آج دل بے قرار ہے میرا　　کس کے پہلو میں یار ہے میرا

دل لے کے توڑ مجھسے کہو لعنت خدا　　اُلفت کی یہ سزا ہے میاں رحمت خدا

جلد مرگئے تری حسرت سیتی ہم　　کہ ترا دیر کا آنا نہ گیا

وو پل میں جل بجھا اور یہ تمام رات جلا　　ہزار بار پتنگ سے ہے چراغ بھلا

مرے سوز دل سے لالا تجھے ہے خبر تو چپ رہ
کہ مرے چراغ دل سے نہ دھوا اوٹھا نہ شعلا

تجھ نگہہ سے مجنوں جیوں مار مار ڈالا
ہر لخت دل کو اوس پر میں وار وار ڈالا

تڑپتا ہے خوشی سے بے طرح دل مجھ سے بسمل کا
مری چھاتی سے یارب مت جھلبو تانوں قاتل کا

جیو دیکھو تماشا لالہ زار کوہ وہاموں کا
چراغاں ہے یہ عرس حضرت فرہاد و مجنوں کا

کرکے ویراں میرا دل دلبروں کے ہات کیا آیا
یہ بیت اللہ توڑے سے بتوں کے ہات کیا آیا

اگر میں معجزے کو خاکساری کے عیاں کرتا
بگولے سے بنا اورہی زمین و آسماں کرتا

نہیں اس سال وو تو نیں نین بھوری الک ڈالا
لگو لالا کو آگ اور ہو جونا فرماں کا موہنہ کالا

بہار آئی بہ تنگ آیا دل وحشت پناہ اپنا
کروں کیا ہو یہی چاک گریباں دستگاہ اپنا

سیہ روزی میں میری قدر کو احباب کیا جانیں
اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہے گا

کاش کے اس کو دیتا میں دل اپنا عزت
گرہ خاطر دل ہے ہوا یہ خانہ خراب

جیوں گل ازبس کہ جنوں ہے مرا سامان کے سات
چاک کرتا ہوں میں سینے کو گریبان کے سات

ہنستے کیا ہو میرے رونے پر اے دل دار بہوت
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہوت

ادھ جلا مجنوں کے دل کا کوئلا آتی تھی پھونک
ورنہ لیلیٰ کاہے کو جاتی بیابانوں کے بیچ

غیر آہِ سرد نیں داغوں کے جانے کا علاج
جز صبا کیا ہے چراغوں کے بجھانے کا علاج

تک تماشا کر میاں اوس قد کی وہ نازک کمر
تو نے ہرگز عمر میں دیکھا نہیں اے خضر بیچ

تماری زلفِ سیہ دیکھکر زرافشاں آج
شبِ برات کا سب جل گیا چراغاں آج

دھوم جب مچتی ہے ہولی کھیلنے کی شہر میں
ہچکی لگ جاتی ہے رونے سے ہمیں مینا کی طرح

ہے بتوں کے پاس یا صحرا میں یا آوارہ ہے

بھولتا نئیں دل جہاں بولے خدا یادش بخیر

دل پھرے میرے کہ وہ عاشق فراموش آج رات

نام عزلت سنتے ہی کہنے لگا یادش بخیر

یار کا گت ناچنا شاہد تھا میرے حال پر

رات میرا شیشۂ دل ٹوٹتا تھا تال پر

موسے پر بھی توجہ ہے جنوں کی میری عزت پر

بنا پتھروں سے طفلوں کے یہ گنبد میری تربت پر

نیم بسمل ہوا میں تیغِ نگہ تب رکھ لی کس بھلے وقت بُرا ہو گیا جلاّد کہ بس

دیکھ کر اوس کے لبِ مے گون و خطّ و خال کو

ہے مجھے صہبا و بنگ و حبِّ افیوں کا علاج

کس خوشی سے کاٹتا ہوں اوس لبِ مے گوں کا غم

ہے میرے ہنس ہنس کے رونے کا سدا قلقل میں نقش

دل سسکتا ہے اے زلف و چشم خوباں الوداع

مر چلا دیوانہ اے زنجیر و زنداں الوداع

چشمِ پُر خوں میں میری جب سے بسا وو سانْولا

تب سے جیوں لالہ میرے مونہہ میں ہنسی ہوگئی ہے داغ

گھر یار کا ہم سے دُور پڑا اگئی ہم سے راحت ایک طرف

دل ایک طرف آہ ایک طرف ملنے کی حسرت ایک طرف

جیوں مشتِ سپند میرے اعضا جل جل کے انگارے سے اُڑتے ہیں

داغوں کا محشر ایک طرف نالوں کی قیامت ایک طرف

دل ہات دے یار کے کیونکر لیوّں پھیر آہ جہاں کی ملامت سے

جی لیوے غیرت ایک طرف مارے ہے مروّت ایک طرف

غُل ہے پھتراؤ ہے لڑکوں کا ایک آہ کا لٹھ ہے ہات مرے

ہے سارا عالم ایک طرف دیوانہ عزلت ایک طرف

اوس بسنتی پوش لالہ سے میرا دل ہے بہ تنگ

جیوں گُلال اُوڑتا ہے جس کے ہات سے چہروں کا رنگ

گرد سے چہرہ بھرے آئے چمن سے دوڑتے

میں نے مونْہہ چوما تو کہتے ہیں تمارے مونہہ میں خاک

عشق پر غالب رہا مجنوں وو تنکے سا نحیف　　یہ وو جاگہ ہے کہ شعلے سے کرے خاشاک جنگ

بادشاہِ عشق نے مجکو دیے ہیں یہ خطاب　　آفت الملک فناء الدولہ عزلت خاک جنگ

کوہکن لالہ سے خوں تیرا ہے جوشاں بعدِ سال
بے ستوں کے دیکھ دایم ہے بھری دامن میں آگ

دور عنا سے میرا ہوا کیوں نہ ربطِ آرزو نازک
کہ پتھر سے دل اوس کا سخت ہے شیشے سے ٹو نازک
دماغِ زخمِ عزلت بوئے گُل سے ہووے ہے برہم
مزاجِ یار سے بھی اے دلِ خونیں ہے تو نازک

ہم شہیدوں کی خاک اوڑا کر لال
موبہ پر اوروں کے ڈالتا ہے گُلال

ہوا ہے سنگدل یہاں تک کہ اب ہم سے ہے یار اوجھل
نہ تھا آنکھوں سے اوٹ ایک پل اوسے ہو گئے پہاڑ اوجھل

شکر کر اتنا اثر بس ہے جنوں کا تیرے
رنگ کر خرقہ لیا گُل نے فقیری بلبل
تیرے نالوں نے خزاں کر کے اُڑایا گلشن
گُل کا ہر برگ ہے ساون کی بھنبیری بلبل

عذابِ قبر سے دے گا نجات عشقِ علی
کہ زیرِ خاک ہے آخر ابو تراب سے کام

میرے مرقد پر ہو کر شعلہ رویاں سیم بر نکلیں
برنگِ شمع میری استخواں سے چشمِ تر نکلیں
بہے آتے ہیں جوں یہ برگِ گُل سیلِ بہاری میں
میرے ہر ایک آنسو سات سو لختِ جگر نکلیں

بُتاں طفلی سے کب عاشق کے تئیں خاطر میں لاتے ہیں
کہ گُل غنچے تھے تب سے تھپکی بلبل کو دکھاتے ہیں

تمارے آبلۂ پا کو جنگل یاد کرتا ہے
لہو ہر خار سے ٹپکے ہے اب لگ دست سودا میں

جیوں بگولا ہوں میں طوفانِ جنوں کا گرداب
سر کہیں ہات کہیں پانو کہیں راہ کہیں

دیکھنے بِن تیرے کچھ اور تو مطلوب نئیں
بخدا ہم سے اے بت بدروشی خوب نہیں

میں وو مجنوں ہوں کہ آباد نہ اجڑا سمجھوں
مشت خاک اپنی اوڑا کر او سے صحرا سمجھوں

تجھ میں نام داغ ہے لالہ میرے دل میں ہے آگ
ہے تیرا دل بر تو نا فرماں میرا نا مہرباں

عقل کی تدبیر کیا مجنونِ سودائی کے تئیں
باغباں درکار کب ہے نخل صحرائی کے تئیں

بے صبا غنچوں کا عمل نئیں عقدۂ مشکل کہیں
بختِ دل کھلتے نہیں جب لگ نہ دیجے دل کہیں

میں کہا پستاں تیرے ہیں سخت خوب   مسکرا کر بولا کہ پتھرے ہیں خوب

جو ہم یہ طفلوں کے سنگِ جفا کے مارے ہیں
بتوں کا شکوہ نہیں ہم خدا کے مارے ہیں

تری زلف کی شب کا بیدار میں ہوں   تجھ آنکھوں کے ساغر کا میخوار میں ہوں
کدھر بہتا پھرتا ہے اے گریۂ غم   کہ آنکھوں سے تیرا خریدار میں ہوں

جز لالہ زار مجکو گلستاں سے کام نئیں   ان دل جلوں کی بو سے ذرا خوش دماغ ہوں

اے دل شکنو اپنی تمنا کی خبر لو   توڑے ہو جو شیشہ کو تو صہبا کی خبر لو
ہر لخت میں دل کے ہے جدا داغ نمک سود   دل کھول کے ٹک غنچۂ لالہ کی خبر لو
سن کر میرے یوسف کی خبر کاٹتی ہے ہات   مرقد میں کفن کھول زلیخا کی خبر لو

میں دِوانا ہوں اون آنکھوں کا یہ تدبیر کرو
نرگسی ہار سے یارو مجھے زنجیر کرو

عرض مانو تو مجھے شعلہ رخو شاد کرو   آگ پر دیکھو جب اسپند یہ دل یاد کرو

درد جوں شمع ملے ہے شبِ ہجراں مجکو
کھا گئے رو رو میرے دیدۂ گریاں مجکو

اوس سیہ چشم کا مقتول ہُوں میں تو نیں دل
قبر میری کوئی لالہ کے چمن میں کیجو

پھر آئی فصلِ گُل اے یار دیکھیے کیا ہو
جنُوں کا دِل میں پچھا خار دیکھیے کیا ہو
چمن میں باندھنے کو آشیانۂ بلبل
گلُوں نے جمع کیئے خار دیکھیے کیا ہو
وہ عزلت اب مرا یو جھیگا غم کہ آرسی دیکھ
ہوا ہے اپنا گرفتار دیکھیے کیا ہو

مستی اور دیوانگی کی وحی لائی ہے بہار
جامِ مے لالہ کا اور زنجیرِ نافرماں تو دیکھ

جب تن نہ رہا میرا ہُوں واصلِ جانانہ
دیوار کے گرنے سے ہم سایہ ہو ہم خانہ
آئینہ میں دیکھا کر موںہہ اپنا اے جانانہ
تا قدر مری جانے کاش اپنا ہو دیوانہ
دِل شرمِ محبت سے تڑپے تو نہ پھیر آنکھیں
کیونکر پسے چکّی میں بھیگا ہوا ہے دانہ

طاعتِ شیخ پہ ہنستا ہے جہاں ہے شیشہ
جب کرے سجدۂ حق اشک فشاں ہے شیشہ

حشر میں قبر سے کہتا ہی اُٹھے گا مے کش
کہ کہاں مے ہے کہاں جام کہاں ہے شیشہ

دم میں آزاد کرے قیدِ خودی سے بخدا
مرشدِ مشرب مرزا منشاں ہے شیشہ

سوز الفت ہے پری رویوں کا پتھر میں بھی
دلِ خارا کا پھپولا ہے جہاں ہے شیشہ

دیکھکر رنگیں چمن کو دل میرا غمناک ہے
گل کے ہاتھوں خونِ بلبل بھی گریباں چاک ہے

خاطرِ یاراں میں ہے ہم خاکساروں کا غبار
صاف ہے شکوہ دلوں میں کیا محبت خاک ہے

معنی باریک غزلت کہنے میں آتے نہیں
ٹوٹتے ہے مضمونِ نازک ٹھینس سے تقریر کی

زلفِ لیلیٰ سے ہوا تھا مشکبو دشت اس قدر
بوئے نافِ آہو آتی تھی دہانِ شیر سے

فصلِ گل ہے اب کی جی جلتا ہے دل کہیں دیجئے
ایک خدا کہیں ڈھونڈ لے کر بندگی پھر کیجئے

بے کسی پہ میری اوس کی تیغِ خوں گریاں ہوی
بلکہ مثلِ موج پیچ و تاب کھا نالاں ہوی

خونِ دل کی لگ رہی تھی آنکھ جیوں لالہ کا داغ
پوست میں مہندی کے پڑیو آگ تیرے ہات سے

چاندنی میں مے پلا پی کو عرق افشاں کرو
عاشقو عطرِ گلِ مہتاب کھینچا چاہیئے

ان دنوں تو شمع ہر شب غیر کی محفل کا ہے
سب جلانے کا یہ ساماں آہ میرے دل کا ہے
سرخ رُو تو ہوی مراد اپنی و لے میں ہوں خجل
کیونکہ تڑپوں پانو چھاتی پر مرے قاتل کا ہے

جن دنوں ہم اوس شبِ خط کے سیاہ کاروں میں تھے
اس ایاغِ چشم کے پیوستہ میخواروں میں تھے
اس عزیزِ خلق کی آنکھوں سے دو بادام پر
بک گئے وو سب جو یوسف کے خریداروں میں تھے

یار اوٹھ گئے دنیا سے اغیار کی باری ہے
گل سیرِ چمن کر گئے اب خار کی باری ہے

کر زخمی نگاہوں سے اب دل پہ اُٹھا ناگہ
تیروں کی گئی نوبت تروار کی باری ہے

چلے ہے موسم ہولی میں بلبل اس بن کو
کوئی گلاب کی پچکاری بھر کے مارے اوسے

نہ مارو قمقمہ تم آنکھ پر مری اے لال
تم اوس میں بستے ہو دیکھو کہیں تمھیں نہ لگے

مُوا ہوں داغ سے اوس گیسوے پریشاں کے
میری لحد کرو کیاری میں سنبلستاں سے

یہ نو بہار میں جیوں بوئے غنچۂ گل ہائے
نکل گیا میرا جی پھاڑتے گریباں کے

کبھو یہ دل مرا آرام کس طرح پاوے
نہ پاتو پانو میں تیرے نہ ہات بات آوے

جو آوے بوے وفا تک وہ لاابالی سے
تو اڑ کے رنگ سا جاؤں شکستہ بالی سے

اے آہ کبھو تیرے قد کی دھن میں آج کی رات
بہت میں رو یا گلے لگ کے سروِ قالی سے

بہت سا چوستے اور کاٹتے ہو ہونٹ اپنے
کسی کے دل کا مزے سے کباب کھایا ہے

مجھ قیر سے یار کیونکہ جاوے ہے شمعِ مزار کیونکہ جاوے

تو گو ہوا اغیار کا بندہ ہوں میں تب بھی
سر چاہیے تو کاٹ لے حاضر ہوں میں اب بھی

پچکاریوں سے دہکی جلن دل میں لال کے
ان پھنکنیوں سے لگ اٹھی آتش گُلال کے

بجھتا ہے کیوں انگار سے ساخاطر نچنت کی
جل اوٹھ دوانے باد چلی ہے بسنت کی

جوں موجِ آب ہے یہ جنوں جزوِ تن مجھے
زنجیر کی صدا ہے دمِ زیستن مجھے

اوروں سے ہم شراب ہو تم دل جلا چکے
ہم بھی کباب کرکے جگر اپنا کھا چکے

ہو جائے خاک عشق نہ چھوڑے وہ مرد ہے
جوں جادہ میری آہ وہی دشت گرد ہے

بسترِ خاک میں آسودگی عالی دیکھی ورنہ شطرنجی و قالی و نہالی دیکھی

بخدا طورِ بتاں میں نے نرالی دیکھی جب مرا رنگ اوڑا چہروں پہ لالی دیکھی

معجزے سے یہ تیرا خطِّ سیہ کیا کم ہے لب کے یاقوت کی آتش کا دھوآں نیلم ہے

دل لگا جس سے مرادہ مرا دل دار لگے

تجکو کیوں چہل لگی ناصح تیرا کیا لگتا ہے

کام ہے محشرِ رسوائی سے گو ہووے کہیں

خواہ صحرا مرا مسکن ہووے خواہ آبادی

اب یہ زخمی میں کب اول کا قلق باقی ہے

آ خبر جلد لے صیاد رمق باقی ہے

مانگ کا اوس کی ہے سیندور دیکھو معجزِ حسن

رات آدھی ہو گئی لیک شفق باقی ہے

لعل و گوہر کی تمہارے لب و دنداں آگے

آبرو گئی ہے خجالت کا عرق باقی ہے

بچا دل زلف کے عقرب سے تو کیا کہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے

ہم سے ایک بار پھر گیا دو جہاں ایک تیری نین پھری نہ پھری

مستقیم ساقی سے میرا صبر ہے   مے نہیں دیتا ہے اور یہ ابر ہے

مقرر کیا ہوں خدا دیوے تو جا کے نت گلشن کوئے جاناں میں رہیے
وگرنہ بگولے سے ہو خاک بر سر طواف اپنا کیجے بیاباں میں رہیے
میرے دل نے پوچھا جناب جنوں سے خفا ہوں لے عشق کس طرح جا پاک کیدھر
کہ اشک کے سات اس سینۂ تنگی سے اوٹھیے سو جا چشم گریاں میں رہیے
نصیب سیہ نے دکھلایا خط اوس کا صفا حسن کی تو مت زور ارے دل
جو صبح وطن ہات سے گئی نہ غم کھا کے روز و شام غریباں میں رہیے

اوس آہن دل کا جوہر مثل خنجر خوں فشانی ہے
صفائے دل کا وہ ہر چند دم مارے زبانی ہے

غضب ہے وہ صنم آنکھیں دکھا نظروں پھرا تا ہے
یہ دل دینے کے عصیاں کی سزا ہے حق دلاتا ہے

ہوا ہے قحط اُلفت تب تو دیوانوں کو طفلوں سے
بجز دشنامِ سنگیں اب تو پتھر بھی نہیں ملتے

زنانوں کو فراغت کب ہے مثل مہر بادامی
کہ موہنہ کالا کرا وندھے ہو یا مشغول اونگلی ہے

جو میرے مونہہ سے دھوے گردِ غربت چشمِ گریاں ہے
اب آنسو پونچھنے کو میرے ایک صحرا کا داماں ہے

لہو آنکھوں میں آنے کا سبب مت پوچھ نادان
ہنسی آتی ہے جیوں لالہ مرا دل داغ ہوتا ہے

برہنہ پا ہوں میں پر خار صحرا سات ہے مجنوں   زہے طالع مری صحبت بیاباں سے بن آئی ہے

قدم چھاتی پہ رکھ کر ذبح کر تو مجھ سا قربانی   ترا مونہہ دیکھتا جی دوں مجھے پھر دیکھنا کیا ہے

اُڑانا خاکساروں کا غبار اپنا خوش آتا ہے   ڈھلیںڈی بنچی کے دن وہ بے پروا مچاتا ہے

وہ ہی ہے تمر خروان سبز رنگوں کے حضور لے دل
کہ جیوں پچکاری اوس کی آنکھ سے بلبل لہو ٹپکے

لگا زخم اوس سلونی آنکھ کا دل تلملاتا ہے
نمک کا آب تھا خنجر میں شیریں جان جاتا ہے

میرا دل یوں ہے لپٹا اوس کی شمشیر ہلالی سے   لگا ہو غنچۂ گل جس طرح گلبن کی ڈالی سے
اوجاڑ اگر مجھے اس واسطے دختر ہے گل اوس کی   تو گلچیں اوس کا کیا داماد ہے کوئی کہو مالی سے

اگر جوں رنگ گل گودی میں مجھ سے یار مل بیٹھے   دل زخمی کمالِ بے دماغی بیچ کھل بیٹھے

مجھے اے پستہ لب تو مت درم یادام عیدی دے
مری جانب ٹک آنکھیں پھیر دو بادام عیدی دے

گنواوے ہوش جب عاشق تو چشم یار میں ڈھونڈے
جب اپنا دل کرے گم کوچۂ دلدار میں ڈھونڈے
جسے جوں شمع سربازی میں ہو آرام جاں روشن
وہ اپنی زندگی کا دم چھری کی دھار میں ڈھونڈے

وہ خوش قد نے کیا ہے داغ مجکو اوس کے جوڑے سے
بلائے آسمانی عالم بالا سے آئی ہے

ہماری خاکساری مجنوں اور فرہاد گر سنتے
سراپا خاک ہو کر جوں بگولہ خوب سر دھنتے

تو موندے غیر سے پلکیں تو میری داد کو پہنچے
عجب بخیہ مرے زخم دل ناشاد کو پہنچے
دم آخر بھی نکلا آہ ہو کر اب تو کھول آنکھیں
یہ مصرع ہمنے مر مر کر کہا صیاد کو پہنچے

نہ پوچھو اوس کی کیفی آنکھ کو سرمہ نے گھیری ہے
گریباں گیر ظالم بے سخن فریاد میری ہے

تیری آنکھوں سے کیا طاقت جو ہم چشمی کا دم مارے
غزال اون کا غلام آزاد نرگس اون کی چیری ہے

ادب سے پاؤں رکھ زندانِ اُلفت میں ارے مجنوں
کہ اس زنجیر خانے بیچ عزلت شیشۂ دل ہے

اے ناصح چشمِ تر میں مت کر آنسو پاک رہنے دے
ارے بیدرد وا روبے میں مجھے بے باک رہنے دے

برس مت ابر مٹ جائیگا بگولا خاک مجنوں کا
خدا کے واسطے دشتِ جنوں کی ناک رہنے دے

یہ طاقت نذر ہے اے ناتوانی پر بہاروں میں
میرے ہاتوں کو چاکِ جیب پر چالاک رہنے دے

خنک جوشی نہ کرتے جوں صبا گریہ بتاں ہم سے
تو مثلِ غنچۂ گل دل نہ جاتا رائیگاں ہم سے

کوئی کیا باغ جا لیوے مزہ سیر گلستاں سے
کہ بوے خونِ بلبل آوے ہے گل کے گریباں سے

میرا ب ظاہر و باطن ہے پنہاں ایک جوں غنچہ
کہ فضلِ حق سے اب ٹوٹے ہے دل چاکِ گریباں سے

وو بالا ہے ترے نالے سے اوجِ دلبر اے قمری
یہ تضمیں سرو کے مصرع کی ہوئی کیا بہتر اے قمری

خدا ہی پہونچے فریادوں کو ہم سے بے نصیبوں کے
ہمارے دِل کباب اور تو پیے پیالے رقیبوں کے

خزاں میں برگِ گُل اور خار و خس تئیں صحنِ گُلشن میں
پڑے ہیں لختِ دل اور ٹوٹے نالے عندلیبوں کے

بہار آئی دِوانو سنتے ہو بلبل کی فریادیں
یہ آوازے ہیں فوجِ موسمِ گل کے نقیبوں کے

نہیں میں جوں بگولا دشت کے یا راہ کے صدقے
بلا گرداں ہوں اپنے یعنی میں اللہ کے صدقے

وو دن بھی حق کبھو روزی کرے گا یا ہم اے بلبل
کہ تو ہو گل کے قرباں میں بتِ دلخواہ کے صدقے

شہیدوں نے نہ چھوڑا مر کے بھی رشتہ محبّت کا
کہ جوں تسبیح سو سر ہیں تری ایک راہ کے صدقے

بہار آدھی گذر گئی ہائے ہم قیدی ہیں زنداں کے
گئے کچھ اور کچھ جاتے ہیں دن چاکِ گریباں کے

ہزاروں خوب رُو گئے خاک میں گردش سے دوراں کے
چلکتی ریگ میں دیکھو مقیش ریزہ افشاں کے

گیا تو درد سر حسرت زخم دو یم رنگی
وگرنہ ہم تری شمشیر کے مارے ہیں احساں کے

میرا لو ہو بھی بعد از مرگ قاتل کے تصدق ہے
سنجاف سرخ مت سمجھے کوئی گرد اوس کے داماں کے

ہوا ہے داغ بے قدری سے اون کی پشت خوں میرا
پڑے کو یلے ہیں کب مہندی ہیں دست و پائے خوباں کے

جنوں سے خاک ہو گئے پر بھی عاشق ہات ملتے ہیں
بگولے سارے ہیں اُٹکل کیا عزلت بیاباں کے

بسے ہے تجھ میں دل پر دل کے تو جلنے کو کیا جانے
شرر پر جو گذرتی ہے سو پتھر کی بلا جانے

بغل میں لے رہا کعبہ بھی کیتے دن بتوں کے تئیں
جو مقبول خدا ہو سو بتوں کو آشنا جانے

اسی ماتم سے تن پر قمریاں ملتی ہیں خاک اب لگ
نہ جانے ہائے کیا کیا سرو قد اس خاک میں مل گئے

تلاش صید سے گر وہ نگہ اک راہ لیجاتی
مجھے سعی طپیدن تا شہادت گاہ لیجاتی

جگر پاروں کے رقعے میں ہر ایک رہ رو کو سونپے تھا
کوئی لخت اشک لیجاتا کوئی لخت آہ لیجاتی

موے پر بھی مرے بلبل سے تھی دل بستگی گل کو
قفس سے مرے آگر صبا ناگاہ لیجاتی

نہ تھا میں ایک پل نیرنگِ نازِ حسن سے غافل
نگاہ اوس کی کبھو دل چھوڑ جاتی گاہ لیجاتی

فتوت

صاحب شوکت وحشمت خواجہ عنایت اللہ خاں فتوت خلف الصدقِ لشکر جنگ ست، و چمنِ فکر را تازہ آب و رنگ، برادرِ کلان خواجہ ابوالبرکات خان عشرت است و شاگردِ سید سراج الدین است و بحر طبعش مواج۔ از وست۔

کھلے ہیں داغ سب دل کے گلستاں اسکو کہتے ہیں
میرا ٹکڑے ہوا سینہ خیاباں اس کو کہتے ہیں

کیا رہا اے دل دِوانے دشت میں جانے کا لطف
لے گیا مجنوں نے اپنے سات ویرانے کا لطف

بزم سے شعلہ صفت گرد و زرہ پوش اوٹھے
دلِ سوزاں سے میرے آہ و شرر جوش اوٹھے

یاں تلک مجھ سے ہے فریاد کو ربط قلبی
دم بدم نالہ مرے دِل سے ہم آغوش اٹھے

تیرے دیدار کا رکھتا ہوں تلاش آنکھوں میں
اس سبب دل کا ہے اب وجہِ معاش آنکھوں میں

عیشِ بہار و رنگِ خزاں دیکھ مر گئی   بلبل نے اپنا کام جو کرنا تھا کر گئی
لاگے گی اب کے سال جھڑی مینہ کی رات دن   بادل کے سات ملنے میری چشم تر گئی

دور ہیں اوس ساقیِ کیفی کے مے نوشوں میں ہم
مدتیں گذریں کہ ہیں مشہور مدہوشوں میں ہم
یہ شگُب روحی تجھے معلوم ہے بادِ صبا
خاک پر جوں نقشِ پا ہیں خانہ بر دوشوں میں ہم
باغ میں جا خوب روئے تاک کے سایہ تلے
دل کو آخر گم کئے انگور کے خوشوں میں ہم
تجھ نگہ کے دھاک سے پانی ہو موجوں میں چھپے
اے ستمگر جا ملے ہیں اب زرہ پوشوں میں ہم

جب سے مجھ دل پر پڑی ہے یار کے کاکل کی چھاہنہ
خوش نہیں آتی ہے تب سے باغ میں سنبل کی چھاہنہ

توڑتا نیں وو صنم ہرگز کسی سایل کا دل
ہاتھ آیا ہے اوسے شاید کسی کامل کا دل

اوس لبِ لعل کا گر عکس پڑے آنکھوں بیں
دانۂ اشک مرا جوں گُلِ مرجاں پھولے

ٹک زرا زلف کی لٹ جانِ فتوت کھولو
کیا بجا ہوے جو یہ شامِ غریباں پھولے

حرف (ف)

فضلی

مظہرِ کمالاتِ خفی وجلی، شاہ فضل اللہ فضلی، خلف الصدقِ سید عطاء اللہ اورنگ آبادی است۔ رسالۂ زاد آزاد در علم سلوک رقم نمودہ، و قصہ پرہ بھبھوکا و قصۂ پریم لوکا بزبانِ ہندی ازو یادگار است۔ ازوست۔

موںہہ سے اپنے عرق تو دور نہ کر　　حسن کا عطر مجکو لینا ہے

کئی عاشق ہیں مار کھاتے ہیں　　کئی عاشق ہیں خار کھاتے ہیں

اے کبوتر جا کے کہ یوسف کو کوئیں سے نکل
تجھ بنا رو رو زلیخا ہو گئی ہے باؤلی

تجھ ملاحت کے لون کی لذت　　جس کا دل ہو کباب کیا جانے

دیکھ کر تیرے پاؤں کی مہندی
مجکو تلووں سے آگ لگتی ہے

فخر دیں

کمالات پناہ حقایق آئین میر فخر الدین فخرِ دیں از سادات حسینی ترمذی اصل نبیسۂ حاجی عبد اللہ جنید ثانی و داماد سید محمد حیات صاحب کہ درویشِ صاحبِ کمال بودند۔ اوایل بزمرۂ سپاہیان می نمود و اواخر بموجب الفقر و فخری ترکِ لباس نمودہ یگانۂ آفاق بر آمد بعدش حضرت شیخن صاحب کہ عارفِ کامل بودند، بوقت آخر خرقۂ خویش در بر میر صاحب کردند۔ دریں ایام میر صاحب عجب عالمے دارند کہ قلم با وجود دو زبانی قاصر و صفحۂ قرطاس با وصفِ کشادہ پیشانی عاجز، گاہ گاہ بحسب موزونیت فکر شعر می فرمایند۔ از وست۔

یار ہر شان عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
بے نشاں عین نشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جیبِ جاں صد چاک ہے تجھ شوق میں اے گلبدن
کیا چلے اب پنجۂ عشق گریباں گیر سیں
ناز کے خنجر کا بسمل ہوں تغافل مت کرو
جان جاتا ہے مرا ایک آن کی تاخیر سیں

حرف (ق)

قدرؔ

فلکِ سخنوری را بدر خواجہ محمد منعم خاں قدرؔ، اصلش از ہمدانست، جدِّ اعلیٰ خواجہ علی ہمدانی است از خلفائے راشدین سید علی ہمدانی۔ نسبش بچند واسطہ بحضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ منتہی میشود۔ خواجہ علی با پسر چہاردہ سالۂ خود خواجہ ابراہیم نام از ہمدان سیاحت کناں واردِ کشمیر گردید، و بسبب لطافت آب و ہوا و سیرِ گلگشتِ صحراہا ہمانجا فرود کش کردہ رنگِ اقامت ریخت۔ خواجہ ابراہیم بیعت بخدمتِ والدِ خود نمودہ ہمانجا ماند۔ خواجہ عبدالغفور پسرِ خواجہ ابراہیم از کشمیر برآمدہ پیش امیر خاں رئیسِ کابل رسید۔ او بخدمتِ خواجہ ابراہیم ارادت تمام داشت، قدومش را گرامی شمردہ بدیوانیٔ کابل تکلیف نمود، و از پیشِ بادشاہ خلعتِ دیوانی و خطابِ عبدالغفور خانی طلبید۔ خانِ مذکور مدت سی و چہار سال باستقلال سرانجامِ دیوانی کردہ و آخر در ہنگامۂ امیر خاں شہید شد۔ از بناہاے حجرہ و سرا و مسجد در کابل است۔ پسرش خواجہ عبداللطیف از کابل واردِ شاہجہان آباد گردید۔ و از انجا بہ اورنگ آباد شتافتہ بسبب موافقتِ امیرالامرا حسین علی خاں سکونت گزید۔ خلف الصدق او خواجہ عبدالمغنی خاں مرحوم والدِ خانِ قدرؔ است کہ بہ تعلقہ کچہری دیوانیِ صوبۂ حیدر آباد مدتے مامور بود۔ و بعدِ فوتِ خانِ معزالیہ نواب صمصام الملک بہادر صارم کہ دیوانِ دکن اند قدردانی فرمودہ خان قدرؔ را از پیش گاہِ نواب آصفجاہِ ثانی خلعت امتیاز دہانیدہ جانشینِ والد ساختند۔ تا حالت تحریر مامور تعلقہ کچہری

دیوانی است۔ مولدش خجستہ بنیاد، واز آغاز شعور درظلِ تربیت پدر بحیدرآباد قامت قابلیت آراست۔ طبعِ سلیم وذہنِ مستقیم دارد، مشقِ سخن وخطِ شفیعہ درجناب قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین، خلاصۃ الکاملین، حضرت شاہ معین الدین علی تجلّی مداللہ ظلالہ نمودہ۔ با مولّف بسبب ارتباطِ قدیم و آمدوشدِ ہرروزگی دربارِ نواب موصوف مدظلہٗ واشفاقہٗ اتحادِ دلی بہم رسانیدہ۔ اکثر گاہ اتفاق ملاقات می شود، ودرحیدرآباد بہ فقیر خانہ کہ قریب خانہ اش فرود آمدہ، ہرروز کرم نمودہ، اوقات را بفرحت وعشرت می گذراند۔ باوالدِ مولّف وپدرصاحبِ ترجمہ وہم چنیں باجدطرفین کمال دوستی بود۔ مردِ خوش مذہب وخوب مشرب است از وست۔

موشگافی خوب نیں اے شانہ اوس کی زلف کی
بال سے باریک ہے یہ بات کاکل کی قسم

پیتا ہے بس کہ لو ہو ہر شب یہ بلبلوں کا
دھوتی ہے شبنم آکر ہرروز روے غنچہ

کوہکن کی رگِ جاں مفت کٹی تیشہ سے
ہات شیریں کے لگا تو بھی نہ تارِ دامن

ساقی گیا ہے روٹھ کے ہم سے ہزار حیف
آئی ہے کیوں تو دھوم سے اب کے بہار حیف

قطعہ بند

کل شوخ سے دوچار میں ہو راہ میں کہا
کس کا لے ہو ہات میں خوں کو نگار حیف

کہنے لگا کہ کچھ ہے تجھے سوجھتا نہیں
اندھے یہ ہے حنا تو نہ کہہ بار بار حیف

میں تو قسم خدا کی میں سمجھوں گا بے طرح
کچھ بھی شعور ہے تجھے اے بد شعار حیف

میں نے کہا کہ بخشو میاں لو خدا کا نام
اچھے ہو تم بھی روز ہو لیکن ہزار حیف

مجنوں صفت پھروں ہوں میں صحرا میں تو بھی ہائے
اے لیلیٰ وش کیا نہیں بوس و کنار حیف

رویا ہوں بسکہ ہجر میں آنکھیں ہوئیں سفید
مدّت گذر گئی نہ ملا تو تو یار حیف

اوس بے وفا نیں سن کے غضب سے کہا مجھے
کس دن کیا تھا مجھ پہ دل اپنا نثار حیف

میں تجکو جانتا ہی نہیں ہوں خدا کی سوں
آوے ہے تجکو ہونے سے ترے دوچار حیف

وقتے کہ گل رخانِ جہاں کا یہ رنگ ہو
پھر زندگی جہان میں کیجے ہزار حیف

بلبل کو فصلِ گل میں اسیری ہوئی نصیب
رکھتا ہے کس قفس میں یہ صیاد دیکھنا
شیریں کا بے ستوں میں تو کھینچا ہے نقشِ پا
تیشہ لگے گا سر ہی میں فرہاد دیکھنا

میں تصدق ہوں ترا اور تو پھرے غیروں کے سات
میری قسمت میں لکھا تھا یہ میرے اللہ نیں
یاد میں زلفوں کی تیری بس کہ کھایا پیچ تاب
باغ میں کالا کیا سنبل کو میری آہ نیں

ہاتوں میں ہو سیاہ قلم سانپ کا مرے
کاکل کے تیرے پیچ کا سنبل اگر لکھوں
جب پان کو تو کھا کے ہنسا ہوتوں میں بھولا
گلشن میں دہن کے گل اور نگ تبسم

آنکھوں میں میری پھرتی ہے سج آہ کسو کی
دیکھا تھا میں تصویر سرِ راہ کسو کی
جوں پھول میرے سامنے مالی نیں لے آیا
بو آ گئی وو ہیں مجھے واللہ کسو کی

نہ چھپ سکی میرے مرنے کی بات اے قاتل
کہ ہوئے قتل جہاں میں خضاب پھوٹے ہے

صحنِ چمن میں مہکے جو ساقی ہوا چلی تجھ بِن گھٹا بھی آئی سو ہم کو رلا چلی
بلبل ہوئی ہے دام میں صیاد کے اسیر غنچوں کے کان کھولنے بادِ صبا چلی
لالہ نہیں ہے کوہ پہ فرہاد کی ہے قبر شیریں نے آکے اوس پہ چراغاں جلا چلی

اٹھا دے گا قفس قمری کا وہ شمشاد کیا مالی
نسیمِ صبح دم سے جس کی ڈالی میں لہک رہ گئی

مُہر داغوں کی ہوئی ہے دیکھ لے اے بیوفا
عشق کے دفتر سے رکھتا ہوں میں یہ فرمانِ دل

تختِ شاہی ہے زمرد کا دِوانے کے لیے
مینہ برسنے سے نہیں سبز ہے رنگِ صحرا

آب و رنگِ نازکی کو گل سے پوچھا چاہیئے
شیوۂ دیوانگی بلبل سے پوچھا چاہیئے

دے بشارت بلبل اب غنچہ کو تو پیغامِ وصل
فصلِ گل مفت نذر ہے یہی ہنگامِ وصل

دِن کو گر آنا نہ ہو تو شب کرم فرمائیے
ہم کو صبحِ عید سے بہتر ہے ایسی شامِ وصل

قطعہ بند

دوستوں کل کا یہ فسانا ہے
آج تک سنیو کیا زمانہ ہے

مجبکو کہنے لگا وو تنہا گرد
دوستی تجبکو گر نبھانا ہے

سات پھر مت میرے گلی بگلی
تجبکو کوئی جانے گا دِوانا ہے

یہ روش خوب نہیں تری ناداں
عشق عالم کو کیا جتانا ہے

مجھ کماں ابرو سات جو آیا
تیرِ مژگاں کا وو نشانا ہے

میں کیا عرض اے کرم فرما
عاشقوں کو یہ کیا ستانا ہے

دیکھنا تیرا ہر گھڑی مجکو
زندگی کا یہی بہانا ہے

ورنہ میں کب سے مر چکا ہوتا
حرف یہ کیا زباں پہ لانا ہے

سب سمجھ بوجھ کر ارے ظالم
آپ ہنسنا مجھے رلانا ہے

تب وو غصہ سے شوخ کہنے لگا
اب میں جانا کہ تو دِوانا ہے

تُو وہیں آیا زباں پہ یہ مطلع
دل بھی کس طور کا سیانا ہے

دوستی تبھی پہ کچھ نبھانا ہے
بات کہنے میں رُوٹھ جانا ہے

حرف (ک)

کاظم

اقلیمِ سخن را ناظم صوفی شاہ کاظمؔ ازوست۔

جب سیں اے شوخ تجھے بر میں سراپا کھینچا
تب سیں خمیازہ میں پھرتا ہوں میں کھینچا کھینچا

لامِ زُلف والفِ قد کو ترے دیکھ صنم
صفحۂ حُسن پہ کَونین کے ییں لاکھینچا

صبح ساقی کے قدم سے ہوئی عشرت کی مری
ہاتھ ساغر کا پکڑ گردنِ مینا کھینچا

تیری گلی سے جو نومید ہو گیا ہو گا
وو کس دکھوں سیں مرے گا اگر جیا ہو گا

مجھ دل کا شیشہ آج یہ کہتا صدا گرا
پھر جان سے اوٹھا جو نظر سے گرا گرا

کیا پوچھتا ہے یار میری موت و زندگی
مُشتِ غُبار تیری ہوا ییں اوڑ اگرا

گُلزار ہو رہی ہے گلی آج یار کی
ازبس ہمارا خُون جگر جا بجا گرا

ابرو سیں اوس کی آنکھ لڑا جان سیں ہوں سیر
تلوار بِن میرے سیتی کھایا نجائے گا

جز دلِ آزاری بتوں کی آنکھ اوٹھہ سکتی نہیں
کاظم اِس بیمار کو ہے نالۂ عاشق عصا

اس کی زلفوں کی سیاہی نے مجھے دابی ہے یوں
سو زباں جیوں شانہ گر ہووے تو جاوے لٹ پٹا

حال پر بے خانمانوں کے فلک کو رحم نئیں
دھوپ کی چمکی بتایا گر کبھی بادل چھٹا

باغِ سودا کا مرے ہر نخل ہے شوریدہ سر
کوئی تو ہیگا بیدِ مجنوں اور کوئی مادھولٹا

کیا شکر ہے ترے نمک داں ہیں | مزہ بوسے کا آیا متھلونا
صید کرنے کو وید کی چڑیا | دیدۂ منتظر ہوا پونا

زلف کو اوس نے پیچ تاب دیا | دین و آئیں کو میں جواب دیا
تھا بصارت کا گنجفہ بے میر | رخ دکھایا سو آفتاب دیا

فِرو غضب نہ ہوا تا کہ خط سبب نہ ہوا
اب التفات عبث جب کہ لطف تب نہ ہوا

ہر ایک بات پہ اتیا ہی پیچ تاب نہ کھاو
ہوئے اگرچہ سجیلے میاں غضب نہ ہوا

پری وش اوٹھ کے میری برسے یوں نجا سکتا
بغل میں شیشہ تاسف ہے آج شب نہ ہوا

میں اوس پری کو ہزاروں طرح سے لیتا دیکھ
ہزار حیف میرے حکم میں حلب نہ ہوا

سیاہی مردمک کی جیوں کہ ہے سرمایۂ بینش
ہماری رو سیاہی میں عیاں ہے جلوہ رحمت کا

جہاں دام پری ہے بس کہ سازِ شیشہ گر پھوٹا
طبیبانِ جنوں کا ایک تھا باقی سو گھر پھوٹا
کہاں لگ پاس دل کیجے نہایت جان رکھتا ہے
جتن جتیا کیا اس آبگینے کو بتر پھوٹا
کیا تھا خشک حیرت سے جھر اشک چشم گریاں کا
مرا ناسور بوسے گل سے پھر وقتِ سحر پھوٹا
یہاں لگ پاسِ دل کی فکر میں کاظم ہوں مستغرق
اگر بہتر یہ پھوٹے چونک اوٹھوں شیشہ مگر پھوٹا

سبے جا نہیں ہے شیشۂ و ساغر کا اتفاق
اس بزم میں رواج ہے بوس و کنار کا
جیوں آرسی صفا نے کیا ہم کو صلحِ کل
ورنہ کسے تھا ذوق یہ نقش و نگار کا
شانہ نجانو یہ میری بیعت کا ہاتھ ہے
میں ہوں مرید سلسلۂ زلفِ یار کا

پوچھتے کیا ہو میرے سے طور راوس خونخوار کا
دیکھ لیو احوال یارو دیدۂ خونبار کا

ایک تنہا وصفِ مژگاں پھرے نَیں یک بیک
ہر سرِ مو ہم سے بل کھاتا ہے زُلفِ یار کا

جو ترے ہات سے خود رفتۂ تکبیر ہوا
خوابِ آفت زدہ کا گردۂ تصویر ہوا
صندلی رنگ کے گیسو کے تصور کے طفیل
سانپ کا زہر مجھے عطرِ ملاگیر ہوا

فتنۂ مستی سے تجھ آنکھوں میں برسے ہے لہو
کیا حیا کے گھر میں غیرت واسطے جوہر ہوا

ہر چند اس کی راہ میں بیش خاکسار تھا
آئینہ رو کے دل میں ہمیشہ غُبار تھا

مت کہو مستی سے ہو گئیں سرخ اس گلرو کی نین
رنگ آنکھوں میں میرے خونِ جگر سے ہی چڑھا

تھے ناخنِ خراش میرے دل میں غنچہ رنگ
کرتے ہی ایک نالہ وہیں خُوں سیں بھر گیا
کیوں خیرگی سیں دیکھے ہے خورشید کی طرف
آئینہ تیری آنکھ کا پانی سے مر گیا

اوس تند خو کی دھاک سے آنسو رہا ہے تھم
لڑکا تھا بے کلیجہ کا دہشت سے ڈر گیا

تب تو قاتل تری آنکھوں مری کچھ شان بھرے
کوئی تن لے کے چلے کوئی سرِ خونبار مرا
اشک کے دن نہ تھے پیوند ہوا مائی کا
نے سوار یہ مژہ تھا طفلِ جگردار مرا

بے وفائی سیں ہوا ہے خلق کا دل آشنا
آشنا کے واسطے .... تو بسمل آشنا

بہہ چلا ہے جی مرا سیلاب میں شمشیر کے
مارتا ہوں دست و پا ہے لبکہ قاتل آشنا

دل اٹکتا نئیں کہیں ہم جب سیں ہیں تاراجِ عشق
مدتیں ہوئیں یہ مسافر نئیں ہے منزل آشنا

کہاں سیں زلف کا دل پہ خیال آیا تھا
کہ تیرے جی پہ نئے سر سے کال آیا تھا

نجانوں خون سیں بلبل کے کیوں ہے آلودہ
عدم سے پھول تو دامن سنبھال آیا تھا

دیا ہے دل کو شکست اوس کی زلف نے کاظم
بہوت دلوں سے یہ چینی میں بال آیا تھا

ہر گلِ داغِ جنوں میں ہے نسیمِ انبساط
پھر گئی کاظم مرے پر اب تو زنداں کی ہوا

نہ مجھ سیں بے گنہہ کا خونِ ناحق رائیگاں ہوگا
مچا دوں گا میں ہولی کوئے قاتل میں جہاں ہوگا

پیشۂ نظّارہ دل نے چھوڑ کر مفلس ہوا
یہ جواں بے کار رہ رہ کر پریشاں ہوگیا

جب مصوّر نے ترا نقشِ دو ابرو باندھا
بت پرستی کا نئے سر سیتی قابو باندھا
کیوں نہ اعضا سے میرے جائے تبِ غم کاظم
کاسنی رنگ کا چیرہ دو سمن بو باندھا

نگاہِ لطف سے تیری مجھے ڈر ہے خرابی کا
سخن باور نہ کیجے کیف میں ہر گز شرابی کا

لبِ ساقی نے کیا ہے مجھے بیتابِ شراب
عمر میں میں نے نہ دیکھا تھا کبھو خوابِ شراب

آج ساقی نے نگاہ اور کری مستی سیتی
پرتگالی موتیا لایا ہے اقسامِ شراب

عشق بازی میں کسے ہیں آج روشن ایسے بخت
لعل پارہ جان کر مانگا صنم مجھ دل کا لخت
کیا کروں اوس شوخ سے صحبت برآتی نہیں
دل مرا شیشہ سے نازک اوس کا دل پتھر سے سخت

فصلِ گل بس کہ رہی بادہ پرستوں کے ہات
توبہ مے کا پڑا عہد شکستوں کے ہات
کیوں نہ آلودہ خوں دامنِ تقویٰ ہووے
آپڑی دخترِ رز توبہ شکستوں کے ہات
اس کے ہاتوں نے رگِ برگِ حنا سے کاظلم
باندہ ڈالے ہیں گل رخ کے دستوں کے ہات

ہوا سیرِ چمن کا آج وہ گلگوں قبا باعث
وگرنہ مدتوں سے تھی مجھے بادِ صبا باعث

بزم میں گر آوے وہ صبحِ اُمیدِ عاشقاں
موںہہ چھپاوے شمع پروانے کے بال و پر کے بیچ

بس ہے فردوسِ تماشا لعل نو خط کی بہار
کھل رہا ہے غنچۂ گل تختۂ ریحاں کے بیچ

بس کہ دورِ چشم میں تیرے پریشاں ہے قدح
نرگسِ تصویر سا مجلس میں حیراں ہے قدح
خانہ بے خانہ غذا ہے بادہ، بے ہوشی لباس
شیشہ سازو برگ کا ظلم خانساماں ہے قدح

دل تو لیتے ہو توجہ سے یہ دل دینے کے وقت
تھرتھرا دے نہ کہیں تم کو ادائے وامِ تلخ

سیہ رہے مرا یا نامۂ گناہ سفید　　　　اوٹھا نظر سے مری رند تو سیاہ سفید

راست آیا ہے مجھے یار کا حقہ پینا
کون کہتا ہے کہ نَیں بوسہ بہ پیغام لذیذ

ہم تو شہید ہو گئے کر کر کے انتظار　　　　پھولوں کے کام آئیگی اب باغ کی بہار

رقیبِ شوخ مرا رنگ زرد دیکھہ ہنسا
گدھے کو قدر نہیں زعفراں کی ہے مشہور
ملے ہیں مجکو ہزار آئینے تماشہ کے
ہوا ہے شیش محل دل کا بس کہ چکنا چور

خوشخرامی سے تیری از بس کہ ہر جا ہی لہر　　　　سر سیتی نظارہ مردم کے بالا ہے لہر

آئینہ میں عکس تیری زلف کا کھاتا ہے بل
سانپ بھی پانی میں کیا بن بن کے لیتا ہے لہر

لرزتے نیں ہیں پروانے یہ یا رو شمع دھڑکے سے
بجائے خوں سرجنبانی انگار میں آخر

ہمارا مرغِ دل ہو کیوں نہ دست آموز شانہ کا
کیا ہے آشیاں کاکل کی جا کر شاخِ سنبل پر
یہاں لگ سر چڑھا نا ناز کو کاظم جو کچھ تس نیں
گرہ ابرو سیتی اپنی اٹھا رکھتا ہے کاکل پر

کوچہ گردِ زلف مت ہو اے دلِ سودا مزاج
سانپ کاٹے گا اندھاری رات کالی میں نہ جا

تلخ ہیگی زندگانی ہمدمِ جانی بغیر
مے تو کیا پیجے مگر جی دیجئے پانی بغیر

عشق سے مخمور ہوینگے آتشِ غم میں کباب
یوں شرابِ ناز سے اس بزم خالی میں نہ پھر

ریاضِ سینہ ہے داغوں سے قطعۂ گل خیز
نفس ہے دودِ جگر سیں نسیم عنبر سبز

تمہارے لب کی نمکداں سے چشم لذت رکھ
جگر کے داغ لگے بو سے لیتے بریز بریز

وو شاخ گل سیں لپٹ پونچھتا ہے قطرۂ اشک
اس منہ نے کر دیا مرا جیب و کنار سبز

اوس گل عذار کا خطِ نو رستہ دیکھ لیو
ریحاں سے ہیگا حاشیۂ لالہ زار سبز

شوخی کو تیری کیونکہ کرے صحن جہاں بس
ہر جائی پن سیں تیرے مرا آیا ہے جاں بس

ساقی لب میگوں سیں بلا جام بہ تا حشر
جب مونہہ سے لگے کیف تو کہتا ہوں کہاں بس

مجھ آہ میں گریز سی ہے متصل آتش
مجلس میں دکھیاروں کے لگی دِل بدل آتش

آخر سکے نہیں ہو گئے کو یلے کفِ پا میں
تھی رنگِ حنا کی جو ترے پا تَلِ آتش

نہیں آہ میرے دل سیتی نکلی او جھل آتش
بارُوت میں رہتی ہے کہیں بھی سنبھل آتش

سونا نہیں بھاتا مجھے جلتا ہوں جو غم ہیں
پہلو میں کہاں دل کہ ہے زیرِ بغل آتش

بے داغ میرے داغِ جنوں بیچ نہیں گل
جوں شمع مجھے دیجئے پانی بدل آتش

کاظم میرا انگور کے پانی سیں ہے دل سرد
ساغر میں میرے لاوے کوئی گر کے کل آتش

غمِ فراق سیں جب تن میں لگ اوٹھے آتش
اگر میں آہ کروں بن میں لگ اوٹھے آتش

ہمارے داغ کے چوک کی دیکھ جلتی آگ
دلِ سیاہِ برہمن میں لگ اوٹھے آتش

جس نے دیکھا خواب میں اوس یوسفِ ثانی کا نقش
جیوں زلیخا ہو گیا دیوارِ حیرانی کا نقش

سب جائے خوش ہوا ہے یہ صحرا علی الخصوص
نظارہ خوب منعِ تماشا علی الخصوص

بے کیفیت نہیں ہے نشاط و غمِ جہاں
ساغر کا خندہ گریۂ مینا علی الخصوص

آب و ہوا و خاک ہیں سب مظہر اللہ
رندوں کے حق میں آتشِ صہبا علی الخصوص

جس طرح کرتے ہیں حلقہ صوفیوں کو وجد میں
ہے نگاہِ مست کو تیری صفِ مژگاں میں رقص

جس کو پہونچا ہے ترے ناوک خونخوار کا فیض
بار ہے اوس پہ سدا غنچۂ اسرار کا فیض

ہم سیں کیے تھے تم نے نہایت وفا کی شرط
پیش آئے پھر جفا سیں یہی تھی ادا کی شرط
آزاد نہیں ہوں حلقۂ زنجیرِ زلف سیں
کاظم گلے پڑی ہے میرے کس بلا کی شرط

شادرہ پروانہ سرگرمی سیتی آتی ہے شمع
بے حجابی کا تماشہ تجکو دکھلاتی ہے شمع
گرمیٔ مجلس سیں جب بندِ قبا تو وا کرے
شرم سیں رخسار پر اپنے عرق لاتی ہے شمع

کیوں نہ میرے رنگ پر سرخی بشاشت کی چڑھے
دخترِ رز سات میرا آج ہے روزِ زفاف

کوئی کہے ساقی کو آوے بزم میں ساغر بکف
سرگرانی چھوڑ دیوے ورنہ ہم ہیں سر بکف

پھونکنے کو خانماں ناموس کا سرگرم ہوں
جام نہیں ہے آتشِ صہبا سیں ہوں انگر بکف
ذبح کرتا ہے تصور مجکو اوس بے رحم کا
کچھ ستارا ہی میرے طالع کا ہے خنجر بکف

کیا فائدہ تکلّف ہے مجہ سیں عار تجکو
تو اپنی جائے خوش رہ میں ہوں اسی کے لایق

گر تجھے راہِ طلب میں ہوئے کچہ نعمت کی بھوک
یہاں غذا ملتا نہیں جز لختِ دِل کے ایک توک

میرے جگر کو تیرے مُوئے عنبریں کی الک
شتاب مارِ سیہ سی گئی ہے ڈس کہ سلک
قفس میں دل کے خیالوں کے لال اوڑتے ہیں
پھرے ہے مردمکِ چشم جاں کا طرح فلک
تری جدائی میں اعضا میرے جدا ہو گئے
تمام شب نہ لگی آنکھ کی پلک پہ پلک

خوبوں کی جہاں گرمیِ بازار ہوا آگ
اس دل کے تئیں شعلۂ حیرت سے دو آگ

خونی گر مئی دل کو میرے تکبیر ہے درماں
یعنی کہ اذاں کہنے میں ہوتی ہے فرو آگ

مت جلوۂ دیدار میرے دل میں چھپاؤ
تم خانۂ باروت میں ہرگز نہ رکھو آگ

یہ لالہ نہیں فصل میں سلگانے کو کاظم
موسم نے رکھا پھول کے شبنم ستی دھر آگ

بار ہم کو کاں ہے تیرے روبرو ہونے تلک
روشناسی ہے تو بس دیوار کے لونے تلک

جس کی ابرو پر چیں کو دیکھ دنگ ہے دل
شہید تیغ پرتگالی فرنگ ہے دل
نبھے گی کس طرح اب اتحاد کی نسبت
ہمارا شیشہ ہے دل اور تمہارا سنگ ہے دل
میں تجھ سے کیا کروں دل کھول بے حجاب سخن
گرہ میں بند قبا کے میرا تنگ ہے دل

پوچھتا ہے بلبل بے خاناں کا حال گل
خاک پر پروانے کی اے شمع تو بھی ڈال گل

ہے تصور ہجر میں آئینہ دار وصل دوست
سر بغل میں تیں ہے بلبل کی ہے زیر بال گل

جب کرے عزمِ سفر وو نو بہارِ عاشقاں
ایک برس کی راہ سے کرتا ہے استقبال گل

جب حنائی ہات میں تیرے پیالہ ہو صنم
ہم سیہ کاروں کے طالع کو اوجالا ہو صنم

کھینچتے ہیں اوس کی آنکھوں سے سدا آزار ہم
عاقبت بیمارداری سے ہوئے بیمار ہم

دیکھتے ہیں جب کہیں رستوں میں دیوانوں کی دھوم
یاد آتی ہے ہمیں بھی اپنے ویرانوں کی دھوم
تو جہاں ہو کیا کمی نظارہ بازوں کی وہاں
کیوں نہ ہووے شمع کے اطراف پروانوں کی دھوم

پھر گیا مجھ سے زمانہ جب مری آنکھیں پھریں
جامِ عشرت کو اوٹھا اب طاقِ نسیاں پہ دھرو

اس طرح کے بے وفا ہم نے نہیں دیکھے کہیں
یہ تغافل یہ جفا ہم نے نہیں دیکھے کہیں
کیا حیا کا شیوہ دکھلاتے ہو گویا عمر میں
چشمِ خوباں میں حیا ہم نے نہیں دیکھے کہیں

تجھ سا اس عالم میں کوئی نام خدا ہونے کا نئیں

میں بھی تیرے بن کسی اوپر فدا ہونے کا نئیں

سادہ رخسار ادھر بھی کبھو آجاتے ہیں

دلِ حیراں کے تئیں چہرہ دکھاجاتے ہیں

ان کے ہاتوں سے کدھر جاوں گریباں کر چاک

کیا لیا ہوں یہ بتوں کا کہ ستاجاتے ہیں

مجھ سیاہ بخت نے جز داغ کہاں پایا چراغ

دیکھ سکتے نہیں اوس کو بھی بجھاجاتے ہیں

ایسا نہ دیکھا کوئی بھی گل جس کا پیرہن

لوہو سیں عندلیب کے رنگیں ہوا نہیں

فریاد کہ یہ وہ ہر ستاتا ہے مرے تئیں

ہر آن نیا جلوہ دکھاتا ہے مرے تئیں

نہیں آسان سبزے بخت عاشق کے نظر آتا

بہوت سے لب ہوئے جب خشک تب تیری مسیں بھیگیں

کہاں انکار کو اب جائے ہے از بس کہ نکلا خط

ہمارے خون کا محضر ہے کب تیری مسیں بھیگیں

میں پیچ و تاب میں زلفوں کے اکثر رات اٹھلیا تھا

موثر ہوئی دعائے وقتِ شب تیری مسیں بھیگیں

کچھ مروّت نہیں رہی احباب میں ان دنوں چشمِ وفا ہے خواب میں

بر نہ آیا میں ذقن کے چاہ سیں جی گیا ڈوب آخر اس گرداب میں

ہے خیالِ زلف و رُخ سیں دِل جو پیچ و تاب میں
ہوئی فزوں دیوانگی میری شبِ مہتاب میں

اب تو دریا میں تحیّر کے لگا ڈوبنے جی
پتلیاں ہو گئیں گرداب میری آنکھوں میں

ہم اس گلشن سیتی اے باغباں ناشاد جاتے ہیں
دعا کرتے تیرے ہیں خانۂ صیّاد جاتے ہیں

ان دنوں میری طرف صد حیف یار آتا نہیں
تن میں جاں آتا نہیں دل میں قرار آتا نہیں

قابلِ آتش ہے پامال جفا کار از دار
آبلہ کا کھولنے دِل غیرِ خار آتا نہیں

بس کہ جیوں آئینۂ تصویر غم سیں کھچ گیا
اب کسی کا دِل میں کاظم کے غبار آتا نہیں

صحبتِ غیر میں بندِ قفسِ خار ہتوں میں
کس فرنگی بتِ ترسا کا گنہ گار ہوں میں
کیوں دئے ہو میری زنجیر کو جلّادوں کے ہاتھ
ہاے وو قتل کرے جس کا گرفتار ہوں میں

دیا ہے حق نے مجھے پنج گنج کی دولت
میرے پہ دار کا کھلا خمسہ مظہر سیں

دل اندرنوں لگا ہے کسی گلعذار سیں لیتا ہے جو خراج سدا نو بہار سیں
اوسکا شہید حشر تلک کیوں نہ بیس رہے کرتا ہے ذبح خنجرِ زہر آبدار سیں
تجہ دل سیں اب تلک ہے رواں حسرتوں کا خوں
دامن بچا کے پھر شہدا کے مزار سیں

بھوں موڑ کر جو قطع کیا رشتہ مہر کا لایا قسم کے واسطے تلوار درمیاں
میرا لہو حنا کے اوپر پیتا ہے دانت
پن کیا کروں قدم ہے تیرا یار درمیاں

تن میں آرام کہاں جانِ گرفتار کے تیئں
نیند کب قید میں آتی ہے گرفتار کے تیئں
یہ بتِ جلوہ فروش اپنا خریدار ہے اب
اس کو سے جا وو کوئی آئینہ بازار کے تیئں

حسرتِ خندۂ پنہاں میں ہوا ہوں میں شہید
فکر پھولوں کی کرو اب رکھو تلوار کے تئیں

تمہاری زلف کی زنجیر ہے جو شانوں میں
ہمارا شورشِ سودا پڑا زبانوں میں

میں ہوں شہید موجِ تبسم کی تیغ سیں
مجکو کفن دو خندۂ گل کی قماش سیں

آج گلزار میں وو بتِ بیرنگ نہیں
باس غنچے میں نہیں گل کے تئیں رنگ نہیں

وصف میں تیرے دہن کے میں ہوا ہوں حیراں
اس قدر مجھ پہ کوئی قافیہ پھر تنگ نہیں

کیا کروں شکر و شکایت میں تری وضع کا شوخ
مہر نہیں قہر نہیں صلح نہیں جنگ نہیں

چلا جب باغ سیں وو تند خو اوٹھ طبع برہم سیں
لگے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے گل کی شبنم سیں

بلا کی طرز[۱] گی ہے ماہِ عقرب کے طریقے میں
تیرے عارض پہ مجکو خوف ہے اس زلف برہم سیں

کیا ہے قتل اس تیغِ ہلالِ عید نے اوس ہیں
نہیں یہ چاند میرے حق میں کم ماہِ محرّم سیں

---

[۱] اصل مسودہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

گریباں چاک آئے ہم عدم سیں
یہ شیوہ گل کے تئیں پہونچا ہے ہم سیں

چلا دامن جھٹک کر یار جب صحنِ گلستاں سیں
گذر گئے غنچہ و گل تکمۂ و جیب و گریباں سیں

یہ کس جلتے ہوئے چھالوں کا ان پر فیض روشن ہے
کہ جنگل بیچ چراغاں ہو گئی خارِ مغیلاں سیں

حرف (م)

مبتلا

زبان دانِ یکتا الف خاں مبتلا مولدش اورنگ آباد است و بر سخنِ شیریں فرہادِ بلند شنو و بلند گو است، چندے عشقِ رعنا جوانے بر شہرستانِ دلش رسیدہ متاعِ صبر و شکیب را بغارت بردہ بود، اکثر براستہ و بازار پا برہنہ و شمشیر در دست عَلَم کردہ با چشمِ گریاں و سینۂ بریاں میگشت۔ با فقیر ہم چند بار اتفاق دوچار شدن افتاد اگرچہ باہم مرابطۂ قدیم بود و اخلاص فی ما بین نہایتے نداشت، لیکن از انجا کہ صحبتِ دیوانہ بہ دیوانگاں راست آید، ہر چند کہ آواز دادم و طلبیدم جواب نداد، ناچار شدہ ایں مصرع خواندم "چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند" الحاصل چند روز بایں کیفیت گذرانید، چونکہ مزاجش درست شدنی بود، رو باصلاح آورد غرض مردِ خوبیست

وجوانِ رنگینے، زندہ باشد ازو ست۔

ہماری چشم سے یوں خونِ ناب ٹپکے ہی
جوں رنگ ریز کے گھر میں شہاب ٹپکے ہی

دِن بدِن کیوں زرد رو، اور ناتواں ہوتی ہی یہ
کچھ دوا کر باغباں اس نرگسِ بیمار کی

دلکو خوش آئیں یہ دلبر کی ادائیں بھولیاں
غیر کو دشنام دے کتا ہی ہم پر بولیاں
غنچہ و گُل خوں میں آغشتہ ہوئے گلشن میں صُبح
فندقیں مہندی کی انگشتوں کے جو کہ کھولیاں

پارۂ دِل کر گزک پیتے ہیں ہم خونِ جگر
مجھ بغیر از کون اس مستی سے میخواری کرے

مرا دِل لیجانے کو دلبر تمہیں ہو
جفا جو، ہو ظالم ستمگر تمہیں ہو
جواہر کے دیکھے سے کیا مجکو حاصل
مِرے حق میں اب لعل و گوہر تمہیں ہو
مثالِ طِلا دِل کو آتش میں غم کی
تپاتے ہو کستے ہو زرگر تمہیں ہو

نگاہِ تلطف ہے مجھ پر تمہاری
اے آرامِ جاں بندہ پرور تمہیں ہو
کئے مبتلا دل کو کس کس ادا سے
نظر میں ہو صاحب فسونگر تمہیں ہو

شکستِ خاطرِ عاشق نکر ظالم تغافل سے
مرا آئینہ دل ہے ترا اسبابِ خودبینی

آنکھیں تو مثل آئینہ حیرت سے تھک گئیں
تا کہ تمہارے وصل کی ہم آرزو کریں
معلوم نئیں کہ یہ دلِ وحشی کہاں گیا
چل مبتلا اب اوس کی کہیں جستجو کریں

اگر وو شوخ سرکش تیغِ ابرو کو نہ بتلاتا
نہ بسمل کوئی کہلاتا نہ وو قاتل ہو اتراتا

مصدرِ تجلیاتِ سبحان میر عبدالقادر مہربان۔ خوش فکر روشن ضمیر است و طبعِ رسائش ممتاز و بے نظیر در علومِ متداولہ بہرہ اندوز است و بہ شعلہ رخانِ سخن جاں سوز۔ حقا کہ استعداد و والائش بہتر از

معاصران است، و طبعِ آسمان پیمایش خوشتر از اقران - در شعرِ زبانِ عربی و فارسی یگانہ است ممتاز، و در مادّۂ تاریخ و کبتِ علاّمہ است بے انبار کتب ہا تصنیف کردہ و دادِ نکتہا دادہ - آ بیست کہ در ہر رنگ می آمیزد، حق سبحانہٗ سلامتش دارد - از وست۔

غبار کوئے صنم تارہائے اشک کے ساتھ
ہمارے تن پہ عجب ڈوریہ کی خلعت ہے

ہو گئی آنے سے تیرے دل کے میخانے میں دھوم
آنکھ میں مچتی ہے جیسے کیف کے آنے میں دھوم

لہو رونے سے فایق درد میں آنسو کا گرنا ہے
کہ نیں ہے قدر مرجاں جاں ہیں مروارید کی لڑیاں

خدا محشر میں لیوے داد قاتل سے مری لیکن
سبب جس دل کے میں مارا گیا اوس سی خدا پوچھے

موے پر بال و پر بھی باغ میں رہنے نہیں دیتا
خدا جانے عداوت کیا ہے تجکو باغباں ہم سے

شعلہ رویوں کی بھویں ہر وقت رہتی ہیں بھچی
کیا کماں ہیں کہ آتش میں بھی نیں چھوڑی کجی

ترش رو کو نہیں ہو زیرِ خاک بھی جائے ثبات
تخم انبلی کا نکلتا ہو زمیں سے جھاڑ سات

آہ کیونکر کریں شکستہ دلاں
ٹوٹی انگلی بھی کیئں چٹکتی ہو

دل خون بن کوئی سنگیں دلوں کے پاس جاتا ہو
بجز سیندور بتخانہ میں کوئی کافر بھی آتا ہو

مخلص

راے انند رام مخلص از وکالت پیشگانست و مقبولِ سخن فہماں، دریں ولا ورگذشت۔ از وست۔

دھوم آونے کے کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے

یوں پکارے ہے کھڑا گلشن میں سرواز بیکسی
پنچیو قمری کہ کیا آزاد جاتی ہے بہار
پھول پر گلشن کے گویا دانۂ شبنم نہیں
عاشقوں کے حال پر آنکھیں پھراتی ہے بہار

مہر علی شاہ مہر

دقیقہ شناسِ سپہر مہر علیشاہ مہر۔ والدِ ایشاں، بصیغۂ جمعداری نوکرِ آصفجاہ گشتہ از دہلی بسمتِ دکن متوجہ گردیدہ بعد از فتح ممالکِ دکن درشہرِ خجستہ بنیاد فروکش کردہ بہ نوکریٔ نواب آصفجاہ می گذرانید، اودرینولا از چندے تبدیل لباس نزدیکِ مزارِ مرشدِ خود بسر می برد وبسببِ مخالطتِ روحانی اکثرہا با فقیر ملاقات می کند، ہم مکتبِ مولف است۔ از وست۔

ترے چاہ زنخ سے دل کے تئیں اخلاص ہے گہرا
کہ شاید اِن دِلو چھوڑا ہے ان نے زلف کا لہرا

رہا خشک اور نپایا مغز اوس کی بات کا ہرگز
رقیب اندھے کو کچھ نیئں یار سے آخر ہوا بہرا

صبا کہیو کہ اب کی فصل دیوانوں پہ کیا گذری
کیا ہے گل نے اپنا جامہ چاک آیا بُرا پہرا

زاہد خشک کو شراب نہ دو   آگ دو خار و خس کو آب نہ دو

تجہ لب پہ دیکھ سبزۂ خط جو ہوا شہید
پستہ سا اوس کا قبر میں ہوگا بدن ہرا

ہے فزوں عاشق سے بھی معشوق کو گرمیٔ عشق
ہم نے دیکھا شمع سا جلنے میں پروانہ نہ تھا
دیکھ تیری زلف کو ہو قیدیٔ زنجیرِ زُلف
یہ بہاریں ہات سے دیتا نہیں دیوانہ نہ تھا

مہر سے ذرّے تلک ہے اوس کے پرتو کا شہود
جلوۂ شاہ جہاں بے شبہہ عالم گیر ہے

مرزا مظہر

(صرف فارسی کلام درج ہے۔ حالات اور اردو کلام
نہیں لکھا)

حرف (ن)

نصیر

در عالم دوستیہا یگانہ و بے نظیر خواجہ غلام نصیر الدین نصیر فرزندار جمند دلبند شاہ غلام محی الدین، سلسلۂ نسبش بچند واسطہ بہ خواجہ بہارالدین نقشبند قدس سرہٗ منتہی می شود، مولدش اورنگ آباد است۔ و در فنونِ شعر سید عبدالولی عزلت اوستاد۔ سروِ گلستانِ دلجوئیست و گلِ

حدیقۂ بدیہہ گوئی- جوانیست سرگرم اختلاط و رنگین مزاج یار باش و مرویست چسپاں ارتباط، نکتہ پرداز، مضموں تراش- آثارِ خوبی از ناصیۂ او ہویدا و لمعاتِ نور از پیشانیِ او پیدا- با مخلصِ اخلاصِ درستے می دارد، و در پاسِ آشنائیہا دستے- ایں چند غنچہ ہا از خیابانِ طبعِ اوست-

مینہہ برسے ہے کس لطف سے اور جام تہی ہے
ساقیِ تری سرکار میں انصاف یہی ہے

نجم

فلکِ سخنوری را نجم میر نجم خاں نجم- المشتہر بحاجی صاحب خلفِ ارشدِ میر محمد امان بن میر نجم خاں- از مدتِ ممتد بداروغگیِ فیلخانۂ نواب آصفجاہِ ثانی ممتاز است و بخطابِ موروثی سرافراز- تولدش در قلعۂ ارک بلدہ دارالسرور برہان پور واقع گشتہ- دریں و لا بسببِ چھاونی نواب حاضر باشیِ آقا را ضرور دانستہ بود و باش در حیدرآباد می کند- از ساداتِ صحیح النسب است و مردے خوش مشرب و خوب مذہب، در عالمِ دوستیہا یگانہ و بر شمعِ آشنائی پروانہ- در اکثر فنون دستے دارد- از محبانِ فقیر است و شعرش بہر دل پر تاثیر- از وست-

جب قتل کرکے مجکو چلا رزمگاہ سے
فرمایا اوس کی نعش رہے رن کے بن ہی ہیں

اب تو ہر بات میں وہ شوخ اٹک جاتا ہے
بیٹھ کہتا ہوں تو دامن کو جھٹک جاتا ہے
شیشۂ دل کو مرے سنگ جفا پر دوست
بے تکلف ہو کھڑے قد سے پٹک جاتا ہے

یار پہلو میں آسمایا ہے   دیکھو اسوقت کیا سمایا ہے

کبھی کھلتے نہیں ہیں اوس کے کاکل ہم بھی سنتے ہیں
ہمیشہ پیچ میں رہتا ہے سنبل ہم بہی سنتے ہیں

زلف رخ پر ترے کس طور سے لہراتی ہے
جس کے دیکھے سے مری آنکہہ بھی بھر آتی ہے

جب کہ آنکھوں میں خواب آتا ہے
یار تب بے حجاب آتا ہے

بھووں کے چین اور لب کا تبسم
خمارِ عشق کو ہے آب شورہ

ناصر

کشور آرائے ممالکِ سخنوری، فرماں روائے اقلیم دانش گستری، دستور العمل ورسم جہانبانی، قاعدہ دانِ ضوابطِ گیتی ستانی، مظہرِ سخاوت، مصدرِ شجاعت، ملاذ الفقرا، کہف الغربا، فریدوں جاہ، جمشید دستگاہ، سخن سنج والا مناظر، نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید ناصر۔ اکثر خواہشِ طبع ہمایونش بہ تحریر اشعارِ فارسی مالوف بود، و اغلب مزاجِ مبارکش بعلومِ اربعۂ متداولہ مصروف، لہذا شعرِ ریختہ از زبانِ مبارکش کم سر میزد، سپہ سالارِ ملکِ دکن بود و زینت بخشِ اقلیمِ سخن۔

نیّر

والا قدرت زبان آور مہدی علی خاں نیّر۔ والدِ ماجدش نقد علی خاں ایجاد است و مولدش حیدر آباد۔ در فنونِ سخن دری طبعش درست است، و در علومِ نکتہ پروری فکرش چست۔ در برادرانِ خود بعدِ خانِ انصاف سلسلۂ گفت و گو ازو برپا است، نیز شعرش را بر فلکِ دلِ دردمنداں جا۔ جوانیست رنگین مزاج و چوں گُل شگفتہ رو، و مردیست سراپا اخلاق و بدیہہ گو، از مضامین تلاشی و معنی یابی بہرہ اندوختہ است و بر پری زادانِ افکار خال سوختہ۔ ازوست۔

حرف (و)

واقفؔ

رموزاتِ سخن را عارف، میاں نور العین واقفؔ۔ پسرِ شیخ امانت اللہ کہ قاضیِ بٹالہ بود۔ بسببِ قربِ وطن میاں شاہ عبد الحکیم حاکمؔ و نور العین واقفؔ ارتباطے بود، چونکہ ارادۂ زیارتِ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً داشتند، ہر دو بالاتفاق ازیں جانب روانہ گشتہ بیست و نہم رجب ۱۱۶۴ھ درخجستہ بنیاد آمدند و یک ہفتہ در انجا بمقام پرداختہ سرے بسمتِ سورت کشیدند۔ از انجا حاکمؔ سواریِ جہاز را درست کردہ روانۂ نیلِ مقصود گردید و واقفؔ بجہتِ غلوئے امراض ہمانجا سکونت ورزید تا آنکہ حاکمؔ حصولِ سعادت کردہ باز گردید و ہر دو باتفاق از سورت بر آمدہ پانزدہم جمادی الاول ۱۱۶۵ھ بخجستہ بنیاد وارد گردیدند و در تکیۂ شاہ محمود فرود آمدند۔ حاکمؔ نوزدہم شوال سنہ الیہ بفرخندہ بنیاد شتافت و واقفؔ ہمانجا وقفہ نمودہ تا آنکہ نوزدہم صفر ۱۱۶۶ھ حاکمؔ باز بہ اورنگ آباد رسید۔ چنانچہ دوم ربیع الآخر سنہ مذکور ہر دو بارادۂ ہندوستان رختِ سفر بر بستند و بعد صعوبتِ چند بہ اوطانِ خود رسیدہ شاد کام گردیدند۔ از وست۔

آتی ہے بوئے خوں مجھے اس لالہ زار سے

اے باغباں یہ کس کے شہیدوں کا کھیت ہے

عزیزوں سے نشاں کوئی نہیں دیتا ہے یوسف کا
بہ تنگ آیا ہوں یارو کیا کروں کوئیں میں گرتا ہوں

تجھے دماغ نہیں کہ مجھے بلانے کا
کسی سے پوچھ کہ کیا حال ہے فلانے کا
بہار دیکھی اور اس باغ کی خزاں دیکھی
کوئی بھی رنگ قراری نہیں زمانے کا
قفس میں دھوم مچا ذوق سے اے مرغ اسیر
کہ تجکو فکر نہیں کچھ بھی آب و دانے کا

حرف (ہ)

ہمدم

مضامین و نکاتِ بیگانہ را ملہم و محرم شاہ محمد تقی ہمدمؔ۔ پدرش میرزا محمد و جدّ ماجدش ہاشم علی خاں مرحوم در عصرِ نواب آصفجاہ غفران پناہ بخطاب خانی خاں و دیوانی سرکار سرفراز بود بنبیرۂ موسوی خان است از سادات خراسان تولّدِ ہمدمؔ شاہ در دار السرور برہان پور واقع گردید۔ بسنِ بیست و دو سالگی در بلدۂ حیدر آباد رسیدہ بجناب فیض مآب حضرت شاہ شمس الدین محمد الحسینی قدس سرہٗ خلف الصدقِ حضرت سید عماد الدّین محمود الحسینی نعمت الٰہی بیعت کرد، بخلعت و تاج فقر سرافرازی یافت و تارکِ دنیا شد و حضرت مرشد نظر بر صلاحیتِ مزاج کردہ بہ دامادی و فرزندیٔ

خود ممتاز فرمود۔ بعد چندے رخصت گرفتہ زایر حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً گشت و بعد چہار سال از سیاحت آمدہ در درسگاہ مرشدین مقیم گردید۔ مرد بزرگست۔ از وست

نامہ لکھا ہوں شوق سے تجکو باشک و آہ
دینا بہا جلا نہ کسی حال کھولنا

راہ تیری میں یاں تلک دیکھا   انتظاری میں لب پہ آیا جی

گر کرے گا قتل مجکو تجہ گریباں میں مرا
قطرۂ خوں تکمۂ لعلِ قبا ہو جائے گا

تو ہم سے وفا سیکھ جفادل کو سکھایا
شاگرد کسی کا ہوا اُستاد کسی کا

میرے گل بدن کو قبا چشم بلبل کی کیا خوب سجتی ہے بریں گلابی
لگا تو بی اوس کو کلیجے کے قوروں کی ڈوری نگہ کی سلا کر پہنا نا

ابرو کی تیرے مغربی تلوار دیکھنا   چوں رنگ ہوگی کس کی دو رخ وار دیکھنا

تیرے ابرو کے آگے مغربی کی بیت پڑھتا ہوں
شہیدِ تیغِ ابرو ہوں گا تلواروں سے کیا مطلب

خبر لانے کو دل کی آہ کے قاصد مجھے بس ہیں
تری رہ میں ہے ڈانک آنسو کی ہرکارہ سے کیا مطلب

ماتم کدہ یہ تن ہے جان ہے شہید جس میں
دل ہے حسینی شدہ ہمدم کا سینہ تابوت

ہووے گا کیا صباح نہ تھا کل تو یہ ستم
نکلا ہے جگ میں ظلم کا تم سے رواج آج

من کا سبحہ پھیر زاہد نیں خدا دانوں کے بیچ
رشتۂ جاں ایک ہے پھرتا ہے سو خانوں کے بیچ
گردشِ دوراں میں نیکاں ہیں بدوں سے دل فگار
آہنی برمے سے چھید ہوتے ہیں دُر دانوں کے بیچ

خط آنے سے ملول ہیں عشاق میں ہوں شاد
ہے چشم خوش نویس میں ہمدم وقارِ خط

کیوں نہ کیفیت کی ہووے بزم میں اب روشنی
چشم میں ساقی کی روشن ہے عجب مَے کا چراغ
آج کی شب گلرخوں کی بزم ہے ہمدم کے گھر
ہر بجا گر وو جلاوے روغنِ گل کا چراغ

منزلِ عشق کو میں سر سے چلا جاتا ہوں
چال اس راہ کی آنکھوں سے بتا جاتا ہوں

زلفوں میں ماہرو کا تصوّر اگر نہ ہو
کیونکر کٹیں فراق کی راتیں یہ کالیاں

کون جانے جز نبی حق ساتھ مل کھانے کا لطف
کوئی نہ پہچانے علی بن ہات پہچانے کا لطف

حرف (ی)

یآر

صنایع نویس بدایع نگار مرزا محمد یار بیگ یآر۔ مزاجش عالیست وشعرش عالی۔ با فقیر مودّتِ قلبی میدارد وگاہ گاہ بملاقات می پردازد ازمذاقِ کتبِ فارسیۂ تحصیلی چاشنی گیر حلاوت است، بہ منتہائے مغزِ سخن خوب میرسد، قوتِ ممیزہ درست میدارد۔ بُود و باش در فرخندہ بنیاد واقع است۔ ایں چند ذرّہ ہا از آفتابِ فکرِ اوست۔

مشتِ پر صیاد اوس کو جان کر ارزاں نہ بیچ
یک چمن گل ہے ارے ظالم بہائے عندلیب

نو بہار آئی قفس سے کون پہنچاتا ہے اب
گل کو عشق اور ہمصفیروں کو دعاے عندلیب

نہیں ہوس ہم کو شراب لعل اور ساغر سفید
ہجر میں خونِ جگر بس اور چشم تر سفید
یار فرشِ اطلس و زربفت کچھ درکار نہیں
مے کشوں کو بس ہے اک مہتاب کی چادر سفید

ٹک اک انصاف کی نظروں سے دیکھ لے باغباں نرگس
خمار آلودہ آنکھوں کے برابر ہے کہاں نرگس
نکل گھر سے کہ سیرِ نو بہارِ انتظاری ہے
یہاں آنکھیں کھلی ہیں یار کی ظالم وہاں نرگس

مت پوچھ حال دل کا جیسا کباب و آتش
ہے اشک و آہ میرا جوں شمع آب و آتش
اوس شعلہ رو کی آنکھیں جب سے نظر پڑی ہیں
یکساں ہے مجکو ساقی جامِ شراب و آتش
سووے ہے آشیاں میں کس نیند فصلِ گل میں
مجکو عجب ہے بلبل تیرا یہ خواب و آتش
ظالم لبوں پہ تیرے اس رنگ پاں کے دیکھے
ہے نہر لبنگِ حسرت لعلِ خوش آب و آتش

گرمی سے مَے کی اوس کا چہرہ ہے یارؔ عرق ناک
اعجازِ حُسن دیکھو یکجا ہے آب و آتش

آشنائے بحورِ اشعار ممتاز جنگ بہادر یارؔ - از وست -

بہارِ گلشنِ خوبی چمن میں آیا ہے
کہاں ہے جام کہاں ہے شراب کا شیشہ

گریباں چاک و مطعونِ جہاں بدنام عالم ہوں
پڑے خاک اسطرح کے ہائے رسوائی کے جینے میں

مجھ سے پوچھا کہ کہو تم میں وفا ہے کہ نہیں
میں کہا تم تو کہو تم میں جفا ہے کہ نہیں
یار سے تُرش ہو اوروں سے یہ میٹھی باتیں
گر ہوں آزردہ تمہارے سے بجا ہے کہ نہیں

کہا میں اوس شعلہ خُو کو یک دن کہ جل گیا جی تیری جفا سے
غضب سے تیوری چڑھا کے مجکو کہا میں پھر کیا کروں بلا سے
زبانِ جُرأت کو تب تو میں نے دراز کر کہا کہ سُن تو
یہ کون ڈھب ہے جواب دینے کا ٹک تو و سواس کر خدا سے

یہ بات سنتے ہی کر تبسم کہا خدا سے تو تو اڈراکر
جفا کے شکوہ کو ہم سے کرنا بعید تھا یہ تری وفا سے
خوشی میں پایا جب اوس کو میں نے کہا کہ صاحب بھلا سنو تم
جو دردِ دل کو نہ تم سے کہیے تو کب تلک... حیا سے

صنم نے میرے سخن کو سنکر کہا کہ اتنا نہ مضطرب ہو
جو ابتدا کو نہیں سمجھتا تو کیا خبر ہو گی انتہا سے
یہ راہیں مشکل ہیں ایسی راہوں میں کیوں قدم کو رکھا ہے تو نے
اگر تو واقف نہیں ہے جا پوچھ یار جیسے مبتلا سے

یہ عشق کا پنتھ سب سے نیارا ہے اس میں آنیکا فایدہ کیا
خوشی میں بیٹھا رہو تو اپنی تجھے غرض کیا وفا جفا سے

باغ میں کہتی تھی بلبل ہائے رے اٹک پڑی — دل جلا میرا تب اوس گل کے تئیں ٹھنڈک پڑی

قطعاتِ تاریخ اختتامِ تذکرہ

تذکرۂ شاعراں شد چو تمام ایں زماں — شد دل و جانِ حزیں مبتہج و شادماں
داشت تمنا دلم فکر بتاریخ او — آمدہ آوازِ غیب شکرِ خدائے جہاں
۱۱۹۴

ہزار شکرِ جناب مولی کہ تذکرہ شد تمام اکنوں
درود بر ختم مرسلیں و بر آل و اہل بیت او ہم
برائے تاریخ سال ختمش چو بود در دل مرا تمنا
گلِ عجایب شگفت نیکو بگلبنِ سادہ گفت طبعم

۱۱۹۴   ۱۱۹۴ ہجری

Anjuman -i- Taraqqi -e- Urdu Series No. 86

GUL -I- AJAIB

A BIOGRAPHICAL ANTHOLOGY

OF

Urdu Poets

BY

Asad Ali Khan Tamanna

AURANGABADI

Printed and Published by Anjuman -i- Taraqqi -e- Urdu

Aurangabad, (Deccan)

1936